سورة الواقعہ

آیاتہا ۹۶ | ۵۶ سورۃ الواقعۃ مکیۃ ۴۶ | رکوعاتہا ۳

یہ سورت مکی ہے، اس کی چھیانوے آیات ہیں۔

حضرت حسن بصری، عکرمہ، جابر اور عطا کے قول میں یہ مکی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: ایک آیت مدنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝۸۲ کلبی نے کہا: یہ سورت مکی ہے مگر چار آیات مدنی ہیں ان میں سے دو آیات یہ ہیں: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝۸۱ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝۸۲ یہ مکہ مکرمہ کی طرف سفر میں نازل ہوئیں اور ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۹ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۴۰ یہ مدینہ کی طرف سفر کے موقع پر نازل ہوئیں۔ مسروق نے کہا: جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ وہ اولین و آخرین کی خبر، اہل جنت کی خبر، اہل جہنم کی خبر، ہر اہل دنیا کی خبر اور اہل اُخری کی خبر کو جانے تو وہ سورۂ واقعہ کو پڑھے۔ ابو عمر بن عبد البر نے التمہید، التعلیق اور ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی، حضرت ابن مسعود کے پاس عیادت کے لیے گئے جس مرض میں وہ فوت ہو گئے تھے پوچھا: کیا تکلیف ہے؟ کہا: اپنے گناہوں کی شکایت کرتا ہوں پوچھا: کیا خواہش رکھتے ہو؟ کہا: اپنے رب کی رحمت کی خواہش کرتا ہوں۔ پوچھا: کیا تیرے لیے طبیب کو نہ بلاؤں؟ جواب دیا: طبیب نے ہی تو مجھے مریض کیا ہے۔ کہا: کیا ہم تیرے لیے عطیہ کا حکم نہ دیں؟ جواب دیا: مجھے اس کی ضرورت نہیں میری زندگی میں آپ نے اسے روکے رکھا اور میری موت کے وقت مجھے دیتے ہو؟ فرمایا: یہ تیری بیٹیوں کو تیرے بعد فائدہ دے گا۔ جواب دیا: کیا آپ کو میرے بعد میری بیٹیوں کے بارے میں فاقہ کا ڈر ہے؟ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت کیا کریں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے: ''جس نے ہر روز سورۂ واقعہ کو پڑھا اسے کبھی بھی فاقہ نہیں آئے گا''(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝۱ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝۲ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝۳ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝۴ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝۵ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝۶

''جب قیامت برپا ہو جائے گی نہیں ہوگا جب یہ برپا ہوگی (اسے) کوئی جھٹلانے والا، کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی، جب زمین تھر تھر کانپے گی اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے''۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 445　　2۔ کنز العمال، جلد 1، صفحہ 582، حدیث 2640

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ جب قیامت برپا ہوگی۔ مراد دوسرا نفخہ ہے اسے واقعہ کا نام دیا کیونکہ یہ قریب ہی وقت میں واقع ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں بہت سی مشکلات واقع ہوں گی۔ اس میں اضمار ہے یعنی یاد کرو اس وقت کو جب واقعہ ہونے والی واقع ہوگی۔ جرجانی نے کہا: اذا زائد ہے مراد ہے قیامت برپا ہوگی جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (القمر: 1) اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ (النحل: 1) جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد جاء الصوم یعنی روزے قریب آگئے پہلی تعبیر کی صورت میں اذا وقت کے لیے ہے اس کا جواب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (الواقعہ)

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝ كَاذِبَةٌ مصدر ہے یہ کذب کے معنی میں ہے عرب بعض اوقات اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغے کو مصدر کی جگہ رکھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۝ (الغاشیہ) لَاغِيَةً لغو کے معنی میں ہے۔ یعنی اس میں کوئی جھوٹ سنائی نہیں دے گا: یہ کسائی کا قول ہے اس معنی میں عام لوگوں کا قول ہے عائذ باللہ۔ یہ معاذ اللہ کے معنی میں ہے۔

قم قائما، قم قیاما کے معنی میں ہے ایک عربی عورت بچے سے دل لگی کرتی ہے۔

قم قائما قم قائما

اٹھ کھڑے ہو اٹھ کھڑے ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَاذِبَةٌ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لیس لوقعتها حال کاذبة او نفس کاذبة یعنی جو بھی اس کے واقعہ ہونے کے بارے میں خبر دے رہا ہے وہ سچا ہے۔ زجاج نے کہا: لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ کا معنی ہے اسے کوئی چیز رد نہیں کرتی، اس کی مثل حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ثوری نے کہا: اس کے واقع ہونے کے وقت کوئی بھی اس کو نہیں جھٹلائے گا۔ کسائی نے کہا: مراد ہے مناسب یہ ہے کوئی بھی اس کو نہ جھٹلائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا قیام یقینی ہے یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں۔

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ عکرمہ، مقاتل اور سدی نے کہا: مفہوم یہ بنا ہے خفضت الصوت فاسمعت من دنا و رفعت فاسمعت من نای یعنی اس نے قریب اور بعید کو آواز سنائی (1)۔ سدی نے کہا: اس نے متکبرین کو پست کیا اور کمزوروں کو بلند کیا۔ قتادہ نے کہا: اس نے کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب میں پست کیا اور کچھ قوموں کو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف بلند کیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس نے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو جہنم میں پست کیا اور اولیاء اللہ کو جنت میں بلند کیا (2)۔ محمد بن کعب نے کہا: اس نے ان لوگوں کو پست کیا جو دنیا میں بلند تھے اور اس نے ایسی قوموں کو بلند کیا جو دنیا میں پست تھے۔ ابن عطا نے کہا: اس نے کچھ لوگوں کو عدل کے ذریعے پست کیا اور دوسروں کو فضل کے ذریعے بلند کیا۔ خفض رفع کا لفظ عربوں کے ہاں مکان، مرتبہ، عزت اور ذلت کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خفض اور رفع کی نسبت قیامت کی طرف کی ہے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 446 2۔ ایضاً

یہ بطور مجاز ہے جس طرح عربوں کی عادت ہے کہ وہ فعل کی نسبت محل زمان اور دوسری چیزوں کی طرف کر دیتے ہیں جن سے فعل حقیقت میں واقع نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں لیل نائم، نہار صائم۔ قرآن کریم میں ہے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ (سبا: 33) حقیقت میں بلند کرنے والا اور پست کرنے والا اللہ وحدہ لاشریک ہے اس نے اپنے اولیاء کو اعلیٰ درجات میں بلند کیا اور اس نے اپنے دشمنوں کو سب سے نچلے درجے میں پست کیا۔ حضرت حسن بصری اور عیسیٰ ثقفی نے پڑھا خافضةً رافعةً یعنی منصوب پڑھا ہے (1) باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں مبتدا محذوف ہوگا۔ جس نے اسے نصب دی ہے تو حال ہونے کی حیثیت میں نصب دی۔ فراء کے نزدیک یہاں فعل مضمر ہوگا، معنی ہوگا وقعت خافضة رافعةً قیامت کے وقوع میں کوئی شک نہیں یہ بعض لوگوں کو بلند کرے گی اور بعض کو پست کرے گی جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۝ جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور اس میں حرکت ہوگی؛ مجاہد اور دوسرے علماء سے یہی مروی ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: رجه يرجه رجا اسے حرکت دی اور اس میں زلزلہ برپا کیا۔ ناقة رجاء ایسی اونٹنی جس کی کہان بڑی ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے "جو آدمی سمندر پر اس وقت سوار ہوا جب وہ موجزن تھا تو اس کی کوئی ضمانت نہ ہوگی" (2)۔ کلبی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہوگی جب اللہ تعالیٰ زمین کی طرف وحی کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے خوف کی وجہ سے وہ مضطرب ہوگی۔ مفسرین نے کہا: وہ اس طرح مضطرب ہوگی جس طرح بچہ پنگھوڑے میں مضطرب ہوتا ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس کے اوپر ہوگا وہ گر جائے گا اور پہاڑ وغیرہ جو اس کے اوپر ہوگا وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رجه سے مراد شدید حرکت ہے جس کی آواز سنی جائے گی۔ اذا، اذا وقعت کا بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝ کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو اس وقت یہ کچھ کو پست کرے گی اور کچھ کو بلند کرے گی کیونکہ اس موقع پر جو بلند ہوگا وہ پست ہو جائے گا اور جو پست ہوگا وہ بلند ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب زمین میں زلزلہ برپا ہوگا تو قیامت برپا ہو جائے گی یہ زجاج اور جرجانی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أذكر إذا رجت الأرض رجا، رجا مصدر ہے یہ اس امر پر دلیل ہے کہ زلزلہ دوبارہ واقع ہوگا۔

وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ یعنی پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ مجاہد نے کہا: جس طرح آٹے کو گھی سے لت پت کیا جاتا ہے۔ بسیسہ سے مراد ستو یا آٹا ہے جسے گھی یا تیل سے لت پت کیا جاتا ہے پھر اسے کھایا جاتا ہے اسے پکایا نہیں جاتا۔ بعض اوقات اسے زادِ راہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ راجز نے کہا:

لا تَخْبِزَا خُبْزًا وَبُسَّا بَسًّا

تم دونوں روٹی نہ پکاؤ اسے گھی سے لت پت کر دو۔ ابو عبید نے یہ ذکر کیا ہے یہ غطفان کا ایک چور تھا اس نے روٹی پکانے کا ارادہ کیا اسے خوف ہوا کہ وقت کم ہے تو اس نے آٹا ہی کھا لیا۔ مطلب یہ ہے انہیں خلط ملط کیا گیا تو وہ اس آٹے کی طرح ہو گئے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 239 2۔ کنز العمال، جلد 15، صفحہ 582، حدیث 41371

جسے پانی کے ساتھ ملایا گیا ہو یعنی پہاڑ مٹی ہو جائیں گے اور بعض کو بعض سے ملا دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بست کا معنی ہے انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا تو وہ ختم ہو جائیں گے؛ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ (طہ) عطیہ نے کہا: انہیں پھیلا دیا جائے گا جس طرح ریت اور مٹی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابتس سے مراد چلانا ہے یعنی پہاڑوں کو چلایا جائے گا۔ ابوزید نے کہا: سب سے مراد ہانکنا ہے قد بسست الابل أبسها بسامیں نے اونٹوں کو ہانکا۔ ابو عبید نے کہا: بسست الابل، ابسست یہ دونوں لغتیں ہیں جب تو ان کو جھڑ کے اور تو انہیں کہے بس بس حدیث طیبہ میں ہے یخرج قوم من المدینة الی الیمن و الشام و العراق یُبسّون و المدینة خیرلهم لو کانوا یعلمون (1)۔

اس معنی میں ایک اور حدیث ہے جاء کم اهل الیمن یُبسّون عیالهم (2) اہل یمن تمہارے پاس آئے جب کہ وہ اپنے عیال کو ہانک رہے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: جئ به من حسّك و بسّك ابوزید نے دونوں کو کسرہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ من حسك کا معنی ہے جہاں سے تو نے اس کا احساس کیا۔ من بسك جہاں سے اسے تیرا چلنا پہنچا۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے وہ بہہ پڑے۔ عکرمہ نے کہا: انہیں گرایا گیا۔ محمد بن کعب نے کہا: انہیں چلایا گیا؛ اسی معنی میں اغلب عجلی کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہیں کاٹ دیا گیا۔ معنی قریب قریب ہے۔

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنۢبَثًّا ﴿۶﴾ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: هباء منبث سے مراد وہ غبار ہے جو چوپاؤں کے کھروں سے پھیلتا ہے پھر ختم ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اس طرح بنایا ہے (3)۔ مجاہد نے کہا: هباء سے مراد وہ شعاع ہے جو روشن دان میں ہوتی ہے جس طرح غبار کی کیفیت ہوتی ہے (4)؛ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب آگ میں حرکت ہوتی ہے تو اس سے جو شرارے اڑتے ہیں جب وہ کسی جگہ واقع ہوتے ہیں تو کچھ بھی نہیں ہوتے (5)؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔ سورۂ فرقان میں وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ میں گزر چکا ہے۔ عام قرآت منبثا، مثلثہ کے ساتھ ہے۔ مراد ہے متفرق۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (البقرہ: 164) یعنی اسے بکھیر دیا۔ مسروق، نخعی اور ابوحیوہ نے منبتا پڑھا ہے (6) جس کا معنی منقطع ہے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: بتہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قطع کر دیا۔ اس معنی میں بتات ہے۔

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ﴿۷﴾ فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۸﴾ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۹﴾ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿۱۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۱۱﴾ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۱۲﴾

''اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے۔ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا شان ہوگی

1۔ موطا امام مالک، کتاب الجامع، ما جاء فی سکنی المدینة و الخروج منها، صفحہ 696 2۔ ایضاً
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 447 4۔ ایضاً
5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 239 6۔ ایضاً

دائیں ہاتھ والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہوگا کیا (خستہ) حال ہوگا بائیں ہاتھ والوں کا۔
اور (تیسرا گروہ ہر کار خیر میں) آگے رہنے والوں کا وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے وہی مقرب بارگاہ ہیں، عیش و سرور کے باغوں میں''۔

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۟ یعنی تین قسمیں۔ ہر قسم اس کے ہم مثل ہوگی جو اس میں سے ہے جس طرح زوج زوجہ کے ہم مثل ہوتا ہے پھر وضاحت کی کہ وہ کون ہیں تو فرمایا فاصحاب الیمین، اصحاب المشئمۃ، سابقون۔ اصحاب میمنہ وہ ہیں جن کو دائیں جانب سے پکڑ کر جنت کی طرف لے جایا جائے گا، اصحاب مشئمہ وہ ہیں جن کو بائیں جانب سے پکڑ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا؛ یہ سدی کا قول ہے (1)۔ مشأمہ کا معنی بایاں اسی طرح شأمہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے قعد فلان شأمۃ فلاں بائیں جانب بیٹھا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: یا فلاں شائم با صحابک یعنی ان کی بائیں جانب بیٹھو۔ عرب بائیں ہاتھ کو شومی کہتے اور بائیں جانب کو شمال کہتے۔ اسی طرح جو چیز دائیں جانب سے آتی ہے اسے یمن اور جو بائیں جانب سے آئی شومی کہتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب تھے جب آپ کی اولاد آپ کی پشت سے نکالی جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ جنت میں ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس روز حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں جانب سے نکالے گئے اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں جانب سے نکالے گئے۔ عطاء اور محمد بن کعب نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جن کو کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی گئی اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ ہیں جن کو کتاب ان کے بائیں ہاتھ میں دی گئی (2)۔ ابن جریج نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد نیکیوں والے ہیں اور اصحاب مشئمہ سے مراد برائیوں والے ہیں (3)۔ حسن اور ربیع نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد وہ ہیں جو اعمال صالحہ کرنے کی وجہ سے اپنی ذاتوں کے لیے مبارک ہوئے اور اصحاب مشئمہ سے مراد وہ ہیں جو قبیح اعمال کے ساتھ اپنے لیے منحوس ہوئے۔
صحیح مسلم میں حضرت ابوذر سے حدیث اسراء میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب ہم آسمان دنیا پر بلند ہوئے تو وہاں ایک شخصیت تھی جس کی دائیں جانب خلقت تھی اور اس کی بائیں جانب خلقت تھی۔ جب اپنی دائیں جانب دیکھتی تو ہنستی اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتی تو رو دیتی۔ اس نے کہا: نبی صالح اور ابن صالح کو خوش آمدید۔ میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کی دائیں جانب اور ان کی بائیں جانب یہ سائے ان کی اولاد کی روحیں ہیں دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے جہنمی ہیں'' (4)۔ حدیث کو ذکر کیا۔

مبرد نے کہا: اصحاب میمنہ سے مراد آگے بڑھنے والے ہیں اور اصحاب مشئمہ سے مراد پیچھے رہ جانے والے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: اجعلنی فی یمینک ولا تجعلنی فی شمالک مجھے آگے والوں میں سے بنا اور مجھے پیچھے رہ جانے والوں میں نہ بنا۔ مَآ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 448 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموات، جلد 1، صفحہ 93-92

اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۝ اور مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۝ میں تکرار، تفخیم اور تعجب کے اظہار کے لیے ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلۡحَآقَّةُ ۝ مَا الۡحَآقَّةُ ۝ (الحاقہ) اَلۡقَارِعَةُ ۝ مَا الۡقَارِعَةُ ۝ (القارعۃ) جس طرح کہا جاتا ہے: زید ما زید، ام زرع رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: مالك وما مالك مقصود اصحاب میمنہ کے لیے ثواب کی کثرت کا اظہار ہے اور اصحاب مشئمہ کے لیے عقاب کی کثرت کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب مبتدا اور خبر کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۝ گویا یوں کلام کی ما اصحاب المیمنہ ماھم معنی ہے وہ کیا ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ ما تاکید کے لیے ہو۔ معنی ہے وہ لوگ جن کو ان کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی وہ آگے بڑھنے والے اور بلند مرتبہ والے ہیں۔

وَالسّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ ۝ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''سابقون وہ ہیں جب انہیں حق دیا گیا تو انہوں نے اسے قبول کیا جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کو خرچ کیا اور انہوں نے لوگوں کے لیے وہی فیصلہ کیا جو انہوں نے اپنے لیے فیصلہ کیا'' (1) یہ مہدوی نے ذکر کیا۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: وہ انبیاء ہیں (2)۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: مراد ہر امت میں سے ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں؛ اس کی مثل عکرمہ سے مروی ہے۔ محمد بن سیرین نے کہا: مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی (3) اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ (التوبہ: 100) مجاہد وغیرہ نے کہا ہے: مراد جہاد کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اور نماز کی طرف سب سے پہلے جانے والے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: مراد پانچوں نمازوں کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ ضحاک نے کہا: جہاد کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: توبہ اور نیکی کے اعمال کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ (آل عمران: 133) پھر ان کی تعریف کی اور فرمایا: اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ وَهُمۡ لَهَا سٰبِقُوۡنَ ۝ (المومنون) ایک قول یہ کیا گیا: وہ چار ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والا۔ وہ حضرت حزقیل ہیں جو آل فرعون میں سے مومن تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والا۔ وہ حبیب نجار ہے وہ صاحب انطاکیہ تھا۔ حضرت محمد مصطفی علیہ السلام کی امت میں سے سبقت لے جانے والے یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے ماوردی نے بیان کیا ہے (4)۔ شمیط بن عجلان نے کہا: وہ تین قسم کے لوگ ہیں (۱) جس نے اپنی ابتدائی عمر میں ہی بھلائی کی طرف جلدی کی اس پر دوام اختیار کیا یہاں تک کہ دنیا سے چلا گیا یہی سابق مقرب ہے (۲) ایسا آدمی جس نے ابتداء میں گناہ کیے پھر طویل غفلت میں رہا پھر توبہ کی یہاں تک کہ اس پر اس کا خاتمہ ہوا یہ اصحاب یمین میں سے ہے (۳) ایسا آدمی جس نے ابتدائی عمر میں گناہ شروع کر دیئے پھر اسی پر کاربند رہا یہاں تک کہ اس پر اس کا خاتمہ ہوا یہ اصحاب شمال میں سے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد تمام وہ لوگ ہیں جنہوں نے کسی صحیح امر کی طرف جلدی کی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: السّٰبِقُوۡنَ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے دوسرا سابقون اس کی تائید ہے اس کی خبر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 240 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 448 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ ہے۔ زجاج نے کہا: السّٰبِقُوْنَ مبتدا ہے دوسرا سابقون اس کی خبر ہے معنی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ ان کی صفت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب سابقین مقربین میں سے کوئی جنت میں اپنی منزل سے نکلے گا تو اس کی اتنی روشنی ہوگی جسے اس سے کم مرتبہ کے لوگ پہچان لیں گے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝

''ایک بڑی جماعت پہلوں سے اور قلیل تعداد پچھلوں سے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان پر آمنے سامنے''۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ گزری ہوئی امتوں میں سے ایک جماعت (1) وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ یعنی جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ایک جماعت ان میں سے جو اس امت سے قبل گزر چکے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کے صحابہ میں سے تھوڑے (2)۔ اے اللہ! ہمیں اپنے کرم کے ساتھ ان میں سے بنا دے۔ انہیں قلیل ماقبل کی طرف نسبت کے اعتبار سے کہا گیا ہے۔ کیونکہ پہلے انبیاء بہت زیادہ ہیں تو ان میں سے ایمان کی طرف سبقت لے جانے والے بھی زیادہ ہیں۔ ہماری امت میں سے جنہوں نے تصدیق کی طرف سبقت کی ان پر ان کی تعداد بہت زیادہ ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ پر یہ امر شاق گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کا چوتھائی، بلکہ ایک تہائی بلکہ جنتیوں کا نصف ہو گے وہ باقی نصف میں باہم تقسیم ہوں گے''۔ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے ماوردی اور دوسرے علماء نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا معنی حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ گویا آپ نے ارادہ فرمایا کہ یہ منسوخ ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ محکم ہے کیونکہ وہ خبر ہے اور یہ دو مختلف جماعتوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو امتیں گزر چکی ہیں ان میں سے سابقین ہمارے سابقین سے زیادہ ہیں اسی وجہ سے فرمایا: وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ اصحاب یمین جو سابقین کے علاوہ ہیں کے بارے میں فرمایا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں امید کرتا ہوں کہ میری امت جنتیوں کا نصف ہوگی'' (3) پھر اس آیت کی تلاوت کی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝

مجاہد نے کہا: یہ سب اس امت سے تعلق رکھتے ہیں۔ سفیان، ابان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں الثلتان جمیعا من امتی (4) یعنی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 241
2۔ تفسیر عبد الرزاق، جلد 3، صفحہ 279
3۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 223
4۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 458

الْاٰخِرِيْنَ۝ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: دونوں جماعتیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس امت کے اوّل سے ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس امت کے آخر میں سے ہیں (1) وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر: 32)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۝ ایک جماعت اس امت کے اوّل سے تعلق رکھتی ہے۔ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۝ وہ طاعت میں جلدی کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ اولین کے درجہ تک جا پہنچتے ہیں۔ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے سب سے بہتر میرے زمانہ کے لوگ ہیں'' (2) پھر اصحاب یمین میں اولین و آخرین کو برابر قرار دیا ثلة یہ ثللتُ الشیٔ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے اسے کاٹا۔ ثلة کا معنی فرقہ ہے؛ زجاج کا قول ہے۔

عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ۝ سبقت لے جانے والے جنت میں پلنگوں پر ہوں گے۔ سرر، سریر کی جمع ہے موضونة حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ سونے سے بنے ہوں گے۔ عکرمہ نے کہا: ان میں موتی اور یاقوت جڑیں ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا: مَّوْضُوْنَةٍ وہ صف در صف ہوں گے جس طرح ایک اور موقع پر فرمایا: عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ان سے اور مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: وہ سونے سے بنے ہوں گے۔ تفاسیر میں ہے وہ سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے جن میں موتی، یاقوت اور زبرجد جڑیں ہوں گے۔ وضن کا معنی بننا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: وضن فلان الحجر والآجر بعضه فوق بعض فهو موضون فلاں نے پتھر اور اینٹ کو ایک دوسرے پر رکھا پس انہیں پیوست کر دیا گیا۔ درع موضونة ایسی زرہ جو بنائی میں محکم ہو جس طرح مصفوفة ہے۔ اعشی نے کہا:

ومن نسج داؤد موضونة

حضرت داؤد علیہ السلام کی بنائی بڑی مضبوط تھی۔ السریر الموضون سے مراد ہے وہ چارپائی جس کی سطح بنی ہوئی چیز کی طرح ہو اس سے وضین ہے بطان من سیور ینسج فیدخل بعضه فی بعض تنگ بے تسموں سے بنائے گئے تھے جن کے بعض بعض میں داخل کر دیئے گئے تھے؛ اس معنی میں اس کا یہ قول ہے:

اليك تَعْدُو قَلِقًا وَضِينُها (3)

مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا، ھا ضمیر سے مراد پلنگ ہیں۔ مُتَقٰبِلِيْنَ۝ وہ ایک دوسرے کی گدی نہیں دیکھیں گے بلکہ پلنگ ان پر گھومیں گے۔ یہ مومن، اس کی زوجہ اور اس کے اہل کے بارے میں ہے یعنی وہ بالمقابل تکیہ لگائے ہوں گے؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: ہر پلنگ کی لمبائی تین سو ہاتھ ہوگی ☆۔ جب بندہ اس پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ نیچے ہو جائے گا اور جب اس پر بیٹھ جائے گا تو وہ اوپر اٹھ جائے گا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 449

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضل الصحابة ثم الذین یلونهم، جلد 2، صفحہ 309

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 241

☆ الفاظ یہی ہیں مگر سیاق سے پتہ چلتا ہے اس کی اونچائی اتنی ہوگی۔

یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۙ﴿۱۷﴾ بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ ۬ۙ وَ کَاۡسٍ مِّنۡ مَّعِیۡنٍ ﴿ۙ۱۸﴾ لَّا
یُصَدَّعُوۡنَ عَنۡہَا وَ لَا یُنۡزِفُوۡنَ ﴿ۙ۱۹﴾ وَ فَاکِہَۃٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوۡنَ ﴿ۙ۲۰﴾ وَ لَحۡمِ طَیۡرٍ مِّمَّا
یَشۡتَہُوۡنَ ﴿ؕ۲۱﴾ وَ حُوۡرٌ عِیۡنٌ ﴿ۙ۲۲﴾ کَاَمۡثَالِ اللُّؤۡلُؤَ الۡمَکۡنُوۡنِ ﴿ۚ۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا
یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۴﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ فِیۡہَا لَغۡوًا وَّ لَا تَاۡثِیۡمًا ﴿ۙ۲۵﴾ اِلَّا قِیۡلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

”گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لیے ہوئے، نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیاں، (سچے) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ کرتے رہے تھے۔ نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں، بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی“۔

یَطُوۡفُ عَلَیۡہِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ﴿۱۷﴾ یعنی ایسے لڑکے جو نہیں مریں گے؛ یہ مجاہد، حسن اور کلبی کا قول ہے۔ نہ وہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ان میں کوئی تبدیلی ہوں گی۔ سعید بن جبیر نے کہا: مُخَلَّدُوۡنَ کا معنی ہے انہیں بالیاں پہنائی گئی ہوں گی (1)۔ بالی کو خلدہ کہتے ہیں زیورات کے مجموعہ کو خلدہ کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں کنگن پہنائے گئے ہوں گے اس کی مثل فراء سے مروی ہے: شاعر نے کہا:

و مخلّدات باللجین (2)

انہوں نے چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں بالیاں پہنائی گئی ہوں گی۔ عکرمہ نے کہا: مُخَلَّدُوۡنَ ان پر انعام کیا گیا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سب ہم عمر ہوں گے اللہ تعالیٰ نے انہیں جنتیوں کے لیے پیدا کیا، ان پر گردش کرتے ہوں گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا ان میں ولادت کا سلسلہ نہیں ہوگا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہاں ولدان سے مراد مسلمانوں کے بچے ہیں جو چھوٹی عمر میں مرجاتے ہیں نہ ان کی نیکی ہوتی ہے اور نہ ہی برائی ہوتی ہے۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا: یہ مشرکوں کے بچے ہوں گے یہ جنتیوں کے خادم ہوں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: نہ ان کی نیکیاں ہوں گی کہ ان پر انہیں بدلہ دیا جاتا اور نہ ان کی برائیاں ہوں گی کہ ان پر انہیں عذاب دیا جاتا تو انہیں اس مقام پر رکھا جائے گا۔ مقصود یہ ہے کہ جنتی کامل سرور و نعمت میں ہوں گے اور خوشی و انبساط اسی وقت مکمل ہوتا ہے جب خدام اور بچے انسان کے اردگرد ہوں۔

بِاَکۡوَابٍ وَّ اَبَارِیۡقَ، اکواب، کوب کی جمع ہے سورۂ زخرف میں یہ گزر چکا ہے۔ یہ ایسے برتن ہوتے ہیں جن کی سنت اور دستہ نہیں ہوتا۔ اَبَارِیۡقَ ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کا دستہ اور سنت ہوتی ہے اس کا واحد ابریق ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 450　2۔ ایضاً

کیونکہ صفائی کی وجہ سے اس کا رنگ چمکے گا۔

وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ﴿۱۸﴾ سورۃ الصافات میں اس کے بارے میں قول گزر چکا ہے۔ معین سے مراد جو پانی یا شراب سے جاری ہو۔ یہاں اس سے مراد ایسی شراب ہے جو چشموں سے جاری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا: آنکھوں کے لیے ظاہر ہوگی اس صورت میں معین، معاینہ سے مفعول کا صیغہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن سے فعیل کا وزن ہے جس کا معنی کثرت ہے یہ واضح کیا کہ یہ دنیا کی شراب جیسی نہیں جسے نچوڑنے، تکلف کرنے اور مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔

لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا اس کے پینے سے ان کے سروں میں درد نہیں ہوگا۔ معنی اس میں لذت تو ہوگی اس میں کوئی اذیت نہیں ہوگی جب کہ دنیا کی شراب کا معاملہ مختلف ہوگا۔ وَ لَا یُنْزِفُوْنَ ﴿۱۹﴾ سورۃ الصافات میں یہ گزر چکا ہے انہیں نشہ نہیں آئے گا کہ ان کی عقلیں ضائع ہو جائیں۔ مجاہد نے کہا: لَّا یُصَدَّعُوْنَ کا معنی ہے وہ نہیں پھٹیں گے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوْمَىِٕذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ (الروم) اہل کوفہ نے اسے ینزفون زاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے یعنی ان کی شراب ختم نہ ہوگی؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

لَعَمْرِی لَئِنْ أَنْزَفْتُم أو صَحَوْتُمُ لَبِئْسَ النَّدَامی کُنْتُم آلَ أَبْجَرَا(1)

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ شراب میں چار خصلتیں ہیں نشہ، سرور، قے اور پیشاب (2)۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر کیا اور اسے ان خصلتوں سے پاک کر دیا۔

وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا یَتَخَیَّرُوْنَ ﴿۲۰﴾ جو چاہتے ہیں اسے لے لیتے ہیں کیونکہ ان پھلوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا پھل جو پسندیدہ ہے۔ تخیر کا معنی اختیار ہے۔

وَ لَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۱﴾ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوثر کے بارے میں پوچھا گیا؟ فرمایا: ''وہ ایسی نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کی ہے یعنی جنت میں جو دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھی ہے، اس میں ایسے پرندے ہیں ان کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں جیسی ہیں'' (3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ تو بڑی موٹی تازی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کا کھانا اس گردن کے کھانے سے زیادہ اچھا ہوگا''۔ کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ اسے ثعلبی نے حضرت ابو درداء کی حدیث سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں پرندے ہوں گے جس طرح بختی اونٹوں کی گردنیں ہوتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاتھ پر صف در صف ہوں گے ان میں سے ایک کہے گا: اے اللہ کے ولی! میں عرش کے نیچے چراگاہوں میں چرا ہوں، میں نے تسنیم کا پانی پیا ہے، مجھ سے کھاؤ وہ اس کے سامنے اٹھکیلیاں کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ولی اللہ کے دل میں ان میں سے کسی کو کھانے کا خیال آئے گا تو وہ اس کے سامنے گر پڑے گا۔ ولی اللہ اس سے کھائے گا جتنا ارادہ کرے گا جب وہ سیر ہو جائے گا تو پرندے کی

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 242
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 451
3۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، ماجاء فی صفة طیر الجنة، جلد 2، صفحہ 77

ہڈیاں جمع ہو جائیں گی تو وہ اڑ جائے گا اور جہاں چاہے گا جنت میں چرے گا''(1)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: وہ بڑا لذیذ ہوگا۔ فرمایا: اس کو کھانے والا اس سے افضل ہوگا''۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں پرندہ ہوگا پرندے میں ستر ہزار پر ہوں گے وہ جنت کے پیالے میں آگرے گا پھر وہ پھٹ جائے گا تو ہر پر سے ایک مقیم کا کھانا نکلے گا جو برف سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ ٹھنڈا اور ملائم اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس میں سے کوئی کھانا دوسرے کی مثل نہیں ہوگا۔ اس سے اتنا کھائے گا جتنا ارادہ کرے گا، پھر وہ چلا جائے گا اور اڑے گا''(2)۔

وَ حُوْرٌ عِیْنٌ ۝ اسے رفع، نصب اور جر کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ جس نے اسے جر دی وہ حمزہ، کسائی اور دوسرے قراء ہیں۔ یہ جائز ہے کہ اس کا عطف باکواب پر ہو۔ یہ معنی پر محمول ہوگا کیونکہ معنی ہے وہ جاموں، پھلوں، گوشت اور حوروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف جنات پر ہو یعنی وہ جناب النعیم میں ہوں گے اور حوروں کی معاشرت میں ہوں گے اس صورت میں حور سے پہلے معاشرہ کا لفظ ہوگا۔ فراء نے کہا: جر لفظ کی اتباع میں ہوگی اگرچہ معنی میں مختلف ہیں کیونکہ حوریں ان پر طواف نہیں کریں گی؛ ایک شاعر نے کہا:

ورأيتُ زَوْجَكِ فی الوَغَی مُتَقَلِّدًا سَیْفًا وَرُمحًا

سب نے تیرے خاوند کو جنگ میں دیکھا جو تلوار اور نیزے سے آراستہ تھا۔

تلوار کو گلے میں لٹکایا جاتا ہے نیزے کو نہیں لٹکایا جاتا۔

قطرب نے کہا: یہ اکواب اور اباریق پر معطوف ہیں معنی پر ان کا حمل نہیں۔ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان پر حوریں طواف کریں اور ان کے لیے اس میں لذت ہو۔ جس نے اسے نصب دی ہے وہ اشہب عقیلی، نخعی اور عیسیٰ بن عمر ثقفی ہے۔ حضرت ابی کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے۔ اس صورت میں فعل مضمر ہوگا۔ گویا ارشاد فرمایا: ویزوجون حورا عینا نصب کی صورت اسی معنی پر حمل بھی اچھا ہے کیونکہ یطاف علیہم بہ کا معنی ہے انہیں وہ عطا کر دی جائے گی۔ جنہوں نے اسے رفع دیا ہے جب کہ وہ جمہور ہیں؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ تو اس صورت میں اس کا معنی ہے وعندھم حور عین کیونکہ حوریں ان پر گردش نہیں کریں گی۔ کسائی نے کہا: جس نے کہا وَ حُوْرٌ عِیْنٌ ۝ اسے رفع دیا ہے۔ اور علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان پر چکر نہیں لگائیں گی یہی چیز فاکھہ اور لحم میں بھی لازم آئے گی کیونکہ یہ چیز بھی اس پر گردش کناں نہیں ہوگی۔ اس پر صرف شراب گردش کناں ہوگی۔ اخفش نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ معنی پر محمول ہو کیونکہ اس کا معنی ہے لھم اکواب ولھم حور عین ان کے لیے جام اور حور عین ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف ثلۃ پر ہو اور ثلۃ مبتدا ہو اور اس کی خبر عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَۃٍ ۝ ہو اسی طرح وَ حُوْرٌ عِیْنٌ ۝ ہے نکرہ کے باوجود اسے مبتدا بنایا کیونکہ صفت کی وجہ سے یہ خاص ہو گیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ما جاء فی صفۃ طیر الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77

2۔ کنز العمال فی ذکر اشراط الساعۃ الکبری، جلد 14، صفحہ 462-463

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ۝ ، امثال، مثل کی جمع ہے لؤلؤ مکنون جسے ہاتھوں نے نہ چھوا ہو اور اس پر غبار نہ پڑا ہو۔ یہ موتی صفائی اور چمک میں دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے یعنی وہ تمام اطراف سے حسن میں ایک جیسی ہیں۔

كَاَنَّمَا خُلِقَتْ فِیْ قِشْرِ لُؤْلُؤَةٍ

گویا اسے موتی کی سیپی میں پیدا کیا گیا ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ جَزَآءً کا معنی ثواب ہے یہ مفعول لہ کی حیثیت سے منصوب ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہو کیونکہ یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۝ کا معنی ہے۔ انہیں جزا دی جائے گی ایسے بچوں کے ساتھ جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے۔

حور عین کے بارے میں گفتگو سورۂ طور وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے حور عین کو زعفران سے پیدا کیا ہے"۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "ایک جنتی جنت کے سیپوں میں سے ایک پکڑے گا وہ اس کے ہاتھ میں پھٹ جائے گا تو اس سے حور نکلے گی اگر وہ سورج کو دیکھے تو سورج اس کے حسن سے شرما جائے جب کہ اس سیپ میں کوئی نقص واقع نہ ہوگا"۔ ایک آدمی نے عرض کی: اے ابوسلیمان! یہ بڑی عجیب بات ہے کہ سیپ میں کچھ نقص نہ ہوگا؟ فرمایا: ہاں جس طرح ایک چراغ سے دوسرا چراغ جلایا جاتا ہے یا کئی چراغ جلائے جاتے ہیں تو اس میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اس پر قادر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حور عین کو اس کے پاؤں کی انگلیوں سے اس کے گھٹنوں تک زعفران سے، اس کے گھٹنوں سے اس کے پستانوں تک اذفر کستوری سے، پستانوں سے گردن تک عنبر اشہب سے، گردن سے سر تک کافور ابیض سے پیدا کیا ہے اس پر ستر ہزار حلے ہوں گے جس طرح شقائقِ (1) نعمان ہوتے ہیں جب وہ متوجہ ہوگی تو اس کا چہرہ روشن نور کے ساتھ چمک رہا ہوگا جس طرح سورج اہل دنیا کے لیے چمکتا ہے، جب وہ پیٹھ پھیرے گی تو اس کا جگر کپڑوں اور جلد کی باریکی کی وجہ سے دکھائی دے گا۔ اس کے سر میں اذفر کستوری کی ستر ہزار مینڈھیاں ہوں گی ہر مینڈھی کے لیے ایک خادمہ ہوگی جو اس کے دامن کو اٹھائے ہوگی جب کہ وہ ندا دے رہی ہوگی۔ یہ اولیاء کا ثواب ہے جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِیْمًا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ باطل اور جھوٹ نہ سنیں گے (2)۔ لغو اسے کہتے ہیں جو کلام میں سے لہو ہو۔ تاثیم یہ اثمتہ کا مصدر ہے یعنی میں نے اسے کہا: تو نے گناہ کیا۔ محمد بن کعب نے کہا و لا تاثیما وہ ایک دوسرے کو گناہگار نہیں کہیں گے۔ مجاہد نے کہا: وہ اس میں گالی گلوچ نہیں سنیں گے (3)۔ اِلَّا قِیْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا، قِیْلًا اور یہ یَسْمَعُوْنَ کی وجہ سے منصوب ہے یا یہ استثناء منقطع ہے لیکن وہ قیل کہتے ہیں یا سلام سلام بنتے ہیں یہ قول کی وجہ سے منصوب ہے یعنی مگر وہ خیر کہتے ہیں یا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے۔ مگر یہ وہ ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں یا یہ

1۔ ایسی بوٹی ہے جس کی کلیاں سرخ ہوتی ہیں۔ 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 452 3۔ ایضاً

قیلا کی صفت ہے دوسرا اسلام پہلے کا بدل ہے معنی ہوگا ایسی بات جو لغو سے سلامت ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو تقدیر کلام یہ ہوگی "سلام علیکم" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فرشتے انہیں سلام کریں گے یا ان کا رب انہیں سلام کرے گا۔

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ وَّ ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾ وَّ مَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّ لَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾ وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ لِّاَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۴۰﴾

"اور دائیں ہاتھ والے، کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ بے خار بیریوں میں اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں اور پانی کی آبشاروں میں اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بھی بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے پس ہم نے بنالیا انہیں کنواریاں (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لیے مخصوص ہوں گی۔ ایک بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی"۔

وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ﴿۲۷﴾، اصحاب میمنہ کی منازل کے ذکر کی طرف رجوع کیا وہ سابقون ہیں جس طرح پہلے گزرا ہے۔ یہ تکرار ان نعمتوں کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے ہے جس میں وہ ہیں۔

فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ ایسے بیری کے درختوں کے سایوں میں جس کے کانٹے کاٹ دیئے گئے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء کا قول ہے؛ ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے۔ صفوان نے سلیم بن عامر سے حدیث نقل کی ہے(1) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کہا کرتے تھے کہ بدو اور ان کے سوالات ہمیں نفع دیا کرتے تھے کہا: ایک روز ایک بدو آیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تکلیف دہ درخت کا ذکر کیا ہے میرا خیال نہیں کہ جنت میں کوئی ایسا درخت ہو کا جو جنتی کو اذیت دے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہ کون سا درخت ہے"؟ عرض کی بیری کا درخت اس کا کانٹا اذیت دینے والا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ یہ ارشاد نہیں فرماتا فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ اللہ تعالیٰ نے اس کے کانٹے کو ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر کانٹے کی جگہ اس کا پھل بنا دیا ہے وہ ایسا پھل نکالے گا کہ اس پھل سے بہتر قسم کے کھانے نکلیں گے ان میں سے ہر ایک کھانا دوسرے سے مختلف ہوگا"۔ ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: مسلمانوں نے وج وادی کو دیکھا تو اس کی بیری کے درختوں نے انہیں خوش کیا انہوں نے کہا: کاش! ہمارے لیے بھی ایسے درخت ہوتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امیہ بن صلت جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

1۔ در منثور، جلد 6، صفحہ 222

إنَّ الحَدَائِقَ فِي الجِنَانِ ظَلِيلَةٌ فِيهَا الكَوَاعِبُ سِدْرُهَا مَخْضُودُ(1)

جنت میں باغ سایہ دار ہیں ان میں نوخیز عورتیں ہیں جس کے بیری کے درخت کانٹوں والے نہیں۔

ضحاک، مجاہد اور مقاتل بن حیان نے کہا: فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ ایسی بیری جو پھل سے بوجھل ہو(2)۔ یہ اس معنی کے قریب قریب ہے جو ہم نے حدیث میں بیان کیا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا پھل مٹکے سے بڑا ہوگا۔ سورۂ نجم میں یہ بحث گزر چکی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ اس کے پھل ہجر کے مٹکوں جیسے ہوں گے۔ یہ حدیث حضرت انس سے مروی ہے جس کو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں(3)۔

وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ طَلْحٍ کیلے کا درخت ہے اس کا واحد طلحہ ہے؛ یہ قول اکثر مفسرین نے کیا ہے ان میں حضرت علی، حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ کیلے کا درخت نہیں بلکہ ایسا درخت ہے جس کا ٹھنڈا اور تر سایہ ہوتا ہے۔ فراء اور ابو عبیدہ نے کہا: مراد بڑا درخت ہے جس کا کانٹا ہوتا ہے؛ جعدی نے کہا:

بَشَّرَهَا دَلِيلُهَا وَقَالَا غَدًا تَرَيْنَ الطَّلْحَ وَالأَجْبَالَا

اس کی رہنمائی کرنے والے نے اسے بشارت دی اور دونوں نے کہا: کل تم طلح اور بیری کے درخت دیکھو گی۔

طَلْحٍ سے مراد ہرا ایسا بڑا درخت ہے جس کے بہت زیادہ کانٹے ہوتے ہیں۔ زجاج نے کہا: یہ جائز ہے کہ وہ جنت میں ہو اور اس کے کانٹے زائل کر دیئے گئے ہوں۔ زجاج نے کہا: جس طرح کیکر کا درخت ہوتا ہے اس کی بہت سی عمدہ کلیاں ہوں گی۔ انہیں ایسی چیز کے ساتھ خطاب کیا گیا اور اس چیز کا وعدہ کیا گیا جس کی شکل کو وہ پسند کرتے تھے مگر اس کی دنیا کی چیزوں پر فضیلت ایسی ہوگی جس طرح جنت میں جنتی چیزیں ہیں ان کی فضیلت دنیاوی چیزوں پر ہوتی ہے۔ سدی نے کہا: جنت کا کیلا اس طرح ہوگا جس طرح دنیا کا کیلا ہوگا مگر اس کا پھل شہد سے زیادہ میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے وطلع منضود پڑھا ہے یعنی حاء کی جگہ عین پڑھی ہے اور اس آیت کی تلاوت کی وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۴۸﴾ (اشعراء) یہ مصحف کے برعکس ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے سامنے وَّ طَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾ پڑھا گیا ہے تو انہوں نے کہا: یہ طلح کیا ہے؟ وہ طلع منضود ہے پھر کہا: لها طلع نضید انہیں کہا گیا: کیا ہم اسے بدل نہ دیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ مناسب نہیں کہ قرآن کے بارے میں جلد بازی کی جائے اور نہ اسے بدلنا مناسب ہے۔ انہوں نے اس قرأت کو پسند کیا مگر اسے مصحف میں لکھنے پر اتفاق نہ کیا کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر سب کا اتفاق ہے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

ابو بکر انباری نے اس کی سند ذکر کی کہا: میرے والد نے حسن بن عرفہ سے وہ عیسیٰ بن یونس سے وہ مجالد سے وہ حسن بن سعید سے وہ قیس بن عبادہ سے روایت نقل کرتے ہیں قرأت عند علی أو قرئت عند علی مجاہد کو شک ہے یعنی میں نے حضرت علی کے ہاں اسے پڑھا یا حضرت علی شیر خدا کے ہاں اسے پڑھا گیا: وطلح منضود حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ طلح کیا ہے؟ کیا تو اسے وطلع نہیں پڑھتا پھر کہا: لها طلع نضید اس آدمی نے عرض کی: اے امیر المومنین! کیا ہم مصحف میں اسے مٹا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 243 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 453 3۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 395

دیں؟ فرمایا: آج قرآن پر جلدی نہ کی جائے۔ ابوبکر نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اس امر کی طرف رجوع کر لیا جو مصحف میں ہے اور انہیں پتہ چل گیا کہ یہ درست ہے اور جس نے آپ کے قول سے تفریط اپنانا چاہی تھی اس کو باطل کر دیا۔ منضود سے مراد ہے جس کے آغاز سے لے کر آخرت تک حصہ پھل سے جڑا ہوا ہو، اس کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو بلکہ اس کا پھل ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ نضد کا معنی جوڑنا اور منتضد کا معنی جڑا ہوا پیوست۔

مسروق نے کہا: جنت کے درخت ابتدا سے لے کر آخر تک پھلوں سے لدے ہوں گے جب بھی اس کا پھل کھایا جائے گا اس کی جگہ اس سے بہتر پھل آ جائے گا۔

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ وہ دائمی ہوگا وہ ختم نہ ہوگا اور سورج اسے ختم نہیں کرے گا(1)؛ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا** (الفرقان: 45) یہ صبح کے وقت ہوتا ہے یہ صبح کے روشن ہونے سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک ہوتا ہے جس طرح اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ جنت میں سایہ ہی سایہ ہے اس کے ساتھ کوئی سورج نہیں ہوگا۔ ربیع بن انس نے کہا: مراد عرش کا سایہ ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: اس کی لمبائی ستر ہزار سال کے برابر ہوگی۔ ابو عبیدہ نے کہا: عرب طویل زمانہ، طویل عمر اور جو چیز ختم نہ ہو اسے **مَّمْدُوْدٍ** کہتے ہیں۔ لبید نے کہا:

دھر طويل، دائم ممدود

صحیح ترمذی اور دوسری کتب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے: وفي الجنة شجرة يسير الراكب في ظلها مائة عام لا يقطعها واقرء وا ان شئتم وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ جنت میں ایک ایسا درخت ہے ایک سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا وہ اسے طے نہ کر سکے گا۔ چاہو تو پڑھو۔ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ(2)۔

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ یعنی جاری پانی ہوگا جو ختم نہیں ہوگا۔ سکب کا اصل معنی بہانا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سكبه سكبا، سکوب کا معنی اس کا بہنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سكب سكوبا، انسكب انسكابا یعنی بہایا گیا پانی رات، دن بغیر کھائی کے جاری رہے گا وہ ان سے ختم نہ ہوگا۔ عرب بادیہ نشین اور گرم علاقوں کے رہائشی تھے ان کے علاقوں میں نہریں نادر و نایاب تھیں وہ ڈولوں کے ذریعے ہی پانی تک پہنچ پاتے تو اس کے برعکس ان سے نہروں کا وعدہ کیا گیا۔ ان کے لیے سیر و سیاحت کے اسباب کا ذکر کیا گیا جو دنیا میں معروف ہیں جیسے درخت، ان کے سائے، پانی، نہریں اور ان کا عام ہونا۔

وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وہ تھوڑے اور نادر و نایاب پھل نہیں ہوں گے جس طرح ان کے علاقے میں ہوتے ہیں **لَّا مَقْطُوْعَةٍ** وہ کسی وقت ختم نہ ہوں گے جس طرح موسم گرما کے پھل موسم سرما میں ختم ہو جاتے ہیں۔ **وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ** یعنی دنیا کے پھلوں کی طرح انہیں ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ** کا معنی ہے جو ان کا ارادہ کرے اسے کانٹے، دوری اور دیوار کے ساتھ نہیں روکا جائے گا بلکہ جب بندہ اس کی خواہش کرے گا پھل اس کے قریب آ جائے گا یہاں تک کہ وہ اسے لے لے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا** (الانسان) ایک قول یہ کیا گیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 454 2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 161۔ ایضاً، حدیث نمبر 3214، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے: نہ وہ کسی زمانہ میں ختم ہوں گے اور نہ قیمت کی وجہ سے ممنوع ہوں گے۔

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾ امام ترمذی نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "ان کی بلندی اتنی ہوگی جتنا زمین و آسمان کے درمیان دوری ہے یعنی پانچ سو سال" (1)۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں پہچانتے مگر رشدین بن سعد کی سند سے۔ بعض علماء نے اس حدیث کی وضاحت میں کہا: فرش درجہ بدرجہ ہوں گے اور درجات میں یوں فاصلہ ہوگا جس طرح زمین و آسمان میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں فرش سے مراد وہ عورتیں ہیں جو جنت میں ہیں ان کا ذکر پہلے نہیں ہوا۔ معنی ہے وہ عورتیں، اپنے حسن اپنے کمال میں بلند شان والی ہیں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ ہم نے انہیں پیدا کیا اور حسین وجمیل بنایا۔ عرب عورتوں کو فرش، لباس اور ازار کا نام دیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ (البقرہ: 186) پھر یہ قول کیا گیا وہ حور عین ہیں یعنی ہم نے انہیں ولادت کے عمل کے بغیر پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مراد انسانوں کی عورتیں ہیں، یعنی ہم نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا یہ انہیں لوٹانا ہے۔ یعنی ہم نے انہیں جوانی کی حالت اور جمال کے کمال کے ساتھ پیدا کیا۔ معنی ہے ہم نے بوڑھی اور بچی کو ایک ہی دفعہ پیدا کر دیا ان کے لیے ضمیر ذکر کی گئی اور ان کا ذکر پہلے نہ ہوا کیونکہ وہ اصحاب یمین میں داخل ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فرش، النساء سے کنایہ ہے جس طرح یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ کے ضمن میں روایت گزری ہے فرمایا: منهن البكر والثيب (2) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ کے بارے میں سوال کیا فرمایا: "اے ام سلمہ! اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہیں دنیا میں اس حیثیت سے موت دی گئی تھی جب کہ وہ بوڑھی، ان کے بال سفید، آنکھیں کمزور چندھیائی ہوئی اور میل بہہ رہی ہوتی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑھاپے کے بعد ہم عمر، برابر ایک ہی وقت کی پیدائش پر بنا دیا" (3)۔ نحاس نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہا احمد بن عمر نے عمرو بن علی سے وہ ابو عاصم سے وہ موسیٰ بن عبیدہ سے وہ یزید رقاشی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت کرتے ہیں کہ "مراد وہ بوڑھیاں ہیں جن کی آنکھیں دنیا میں چندھیائی ہوئی اور آنکھوں سے میل بہہ رہی ہوتی تھی"۔ مسیب بن شریک نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مراد دنیا کی بوڑھی عورتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے انداز میں پیدا کیا جب بھی ان کے خاوند ان کے پاس آئیں گے انہیں باکرہ پائیں گے" (4)۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے سنا تو کہا: "ہائے درد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وہاں کوئی درد نہیں ہوگا"۔

عُرُبًا یہ عروب کی جمع ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: عرب سے مراد ہے وہ عورتیں جو اپنے

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ماجاء فی صفۃ ثیاب اهل الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77۔ ایضاً، حدیث نمبر 3261، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 217　3۔ ایضاً، جز 27، صفحہ 218

4۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162

خاوندوں سے عشق کرتی ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عرب سے مراد متقہ (1) ہے عکرمہ نے کہا: غنجہ (2) ہے ابن زید نے کہا: یہ اہل مدینہ کی لغت میں ہے اسی معنی میں لبید کا قول ہے:

وفی الخباء عروب غیر فاحشۃ

خیمہ میں نازوادا والی ہے فاحشہ نہیں۔ زید بن اسلم نے کہا: مراد اچھی گفتگو کرنے والی۔ عکرمہ اور قتادہ سے مروی ہے: عرب ان عورتوں کو کہتے ہیں جو اپنے خاوندوں سے محبت کرنے والیاں ہوں۔ یہ اعراب سے مشتق ہے۔ جب وہ وضاحت کرے۔ عرب ایسی عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند کے لیے ناز وادا، نخرے اور حسن کلام کے ساتھ اپنی محبت کو ظاہر کرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے خاوند سے محبت کی وجہ سے اس کی اطاعت کرے تاکہ لطف اندوز ہونے میں زیادہ لذت کا باعث ہو۔ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عربا سے مراد ہے ان کی کلام عربی زبان میں ہوگی۔ حمزہ اور ابوبکر نے عاصم سے عربا قرأت نقل کی ہے باقی قراء نے اسے ضمہ دیا ہے۔ یہ دونوں قرأتیں جائز ہیں یہ فعول کی جمع ہے۔

اَتْرَابًا۝ وہ ہم عمر ہوں گی ان کی عمر تینتیس سال ہوگی (3)۔ ہم عمر عورتوں میں اتراب اور ہم عمر مردوں میں اقران کا لفظ بولتے ہیں۔ عرب اس عورت میں دلچسپی کا اظہار کرتے جو بچپنے کی حد سے گزر چکی ہو اور بڑھاپے سے ابھی کم ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اترابا کا معنی ہے ہم مثل ہم شکل (4)؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ سدی نے کہا: وہ اخلاق میں ہم مثل ہوں گی ان کے درمیان کوئی بغض اور کوئی حسد نہ ہوگا (5)۔ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ۝ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حُوْرٌ عِيْنٌ۝ سابقین کے لیے ہیں اور اتراب عرب اصحاب یمین کے لیے ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۝ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۝ یہ کلام اللہ تعالیٰ کے فرمان وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ۝ کی طرف راجع ہے یعنی ہم ثلۃ من الاولین وثلۃ من الآخرین اس کے متعلق گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ابو العالیہ، مجاہد، عطاء بن ابی رباح اور ضحاک نے کہا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ۝ یعنی اس امت کے سابقین میں سے جماعت وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۝ اس امت کے آخرین میں سے جماعت ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”یہ سب میری امت سے تعلق رکھتے ہیں“ (6)۔ واحدی نے کہا: اصحاب جنت نصف نصف ہوں گے نصف سابقہ امتوں میں سے اور نصف اس امت سے۔ ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت بریدہ بن خصیب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ان میں سے اسی صفیں اس امت کی اور چالیس باقی امتوں کی ہوں گی“ (7)۔ ابو عیسیٰ امام ترمذی نے کہا: یہ

1۔ خوشامد کرنے والی۔ 2۔ ناز نخرے کرنے والی۔ 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456

4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 245

7۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ الجنۃ، ماجاء فی صف اہل الجنۃ، جلد 2، صفحہ 77۔ ایضاً، حدیث نمبر 2469، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب صفۃ امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر 4278، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حدیث حسن ہے۔ ثُلَّةٌ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اور خبر محذوف ہے معنی یہ بنے گا لاصحاب الیمین ثلتان، ثلة من ہولاء وثلة من ہولاء یعنی ایک جماعت ان سے اور ایک جماعت ان سے۔ پہلے سابقہ امتوں میں سے ہوں گے اور دوسرے اس امت کے ہوں گے۔ یہ دوسرے قول کی بنا پر ہے۔

وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ؕ﴿۴۱﴾ فِیۡ سَمُوۡمٍ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿ۙ۴۲﴾ وَّ ظِلٍّ مِّنۡ یَّحۡمُوۡمٍ ﴿ۙ۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا کَرِیۡمٍ ﴿۴۴﴾ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِکَ مُتۡرَفِیۡنَ ﴿ۚۖ۴۵﴾ وَ کَانُوۡا یُصِرُّوۡنَ عَلَی الۡحِنۡثِ الۡعَظِیۡمِ ﴿ۚ۴۶﴾ وَ کَانُوۡا یَقُوۡلُوۡنَ ۬ۙ اَئِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ﴿ۙ۴۷﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ﴿۴۸﴾ قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِیۡنَ وَ الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿ۙ۴۹﴾ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۬ۙ اِلٰی مِیۡقَاتِ یَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۵۰﴾ ثُمَّ اِنَّکُمۡ اَیُّہَا الضَّآلُّوۡنَ الۡمُکَذِّبُوۡنَ ﴿ۙ۵۱﴾ لَاٰکِلُوۡنَ مِنۡ شَجَرٍ مِّنۡ زَقُّوۡمٍ ﴿ۙ۵۲﴾ فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡہَا الۡبُطُوۡنَ ﴿ۚ۵۳﴾ فَشٰرِبُوۡنَ عَلَیۡہِ مِنَ الۡحَمِیۡمِ ﴿ۚ۵۴﴾ فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡہِیۡمِ ﴿ؕ۵۵﴾ ہٰذَا نُزُلُہُمۡ یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿ؕ۵۶﴾

''اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ یہ (بدنصیب) جھلتی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھویں کے سایہ میں ہوں گے نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ یہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے اور اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کیے جائیں گے اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرما دیجئے: بے شک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! حتماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن''۔

وَ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ اہل نار کی منازل کا ذکر کیا اور انہیں اصحاب شمال کا نام دیا کیونکہ وہ اپنی کتابیں اپنے بائیں ہاتھ میں لیں گے۔ پھر بلاء اور عذاب میں ان کے ذکر کو بڑھ کر بیان کیا۔ فرمایا: فِیۡ سَمُوۡمٍ، سَمُوۡمٍ سے مراد گرم ہوا ہے جو بدن کے مساموں میں داخل ہوتی ہے۔ یہاں اس سے مراد آگ کی گرمی اور اس کی لپک ہے۔ وَّ حَمِیۡمٍ ﴿۴۲﴾ گرم پانی جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔ جب آگ ان کے جگر اور ان کے جسم کو جلا دے گی تو وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف جلدی سے جائیں گے جس طرح ایک آدمی آگ سے بھاگ کر پانی کی طرف جاتا ہے تا کہ اس کے ساتھ آگ کو بجھائے تو وہ اسے سخت گرم پاتا ہے جو گرمائش اور جوش مارنے میں انتہا کو پہنچا ہوتا ہے۔ یہ بحث وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَہُمۡ ﴿۱۵﴾ (محمد) میں گزر چکی ہے۔

وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿۴۳﴾ وہ باد سموم سے بچنے کے لیے سایہ کی طرف جائیں گے جس طرح دنیا والے کرتے ہیں تو وہ سیاہ دھویں کا سایہ ہوگا یعنی وہ جہنم کا دھواں ہوگا جو سخت سیاہ ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے؛ اسی طرح لغت میں یحموم ہے سخت سیاہ۔ یہ حم سے یفعول کا وزن ہے اس سے مراد سیاہ چربی ہے جو آگ سے جلی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حمم سے ماخوذ ہے جس کا معنی کوئلہ ہے۔ ضحاک نے کہا: آگ سیاہ ہوگی اس کے مکین سیاہ ہوں گے اس میں جو کوئی ہوگا وہ سیاہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: آگ سیاہ ہوگی (1)۔ ابن زید نے کہا: یحموم جہنم میں ایک پہاڑ ہے جہنمی جس کے سایہ میں پناہ چاہیں گے۔

لَّا بَارِدٍ ٹھنڈا نہیں ہوگا بلکہ گرم ہوگا کیونکہ وہ جہنم کا دھواں ہوگا۔ وَّلَا كَرِيْمٍ نہ آرام دہ ہوگا؛ یہ ضحاک سے مروی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا منظر حسین نہیں ہوگا۔ جس میں خیر نہ ہو وہ کریم نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ سے مراد ہے وہ اس آگ کا سایہ ہوگا جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر: 16)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿۴۵﴾ وہ اس عذاب کے مستحق اس لیے بنے ہیں کیونکہ وہ دنیا میں حرام چیز سے لطف اندوز ہوتے رہے مترف یعنی خوشحال؛ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سدی نے کہا: مترفین یعنی شرک کرنے والے وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۶﴾ وہ شرک پر قائم تھے (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، ضحاک اور ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: مراد وہ بڑا گناہ ہے جس سے وہ توبہ نہیں کرتے تھے۔ شعبی نے کہا: اس سے مراد یمین غموس ہے یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے (3) یہ جملہ بولا جاتا ہے: حنث فی یمینہ اس نے قسم کو پورا نہ کیا اس نے رجوع کر لیا۔ وہ قسم اٹھایا کرتے تھے کہ دوبارہ اٹھانے کا کوئی تصور نہیں اور وہ یہ قسم اٹھاتے تھے کہ بت اللہ تعالیٰ کا مد مقابل ہیں۔ یہی ان کا قسم توڑنا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (النحل: 38) حدیث میں ہے: آپ غار حرا میں تحنث کیا کرتے تھے، یعنی آپ ایسا عمل کیا کرتے تھے جس کے ساتھ آپ سے حنث ساقط ہو جائے۔ اس سے مراد گناہ ہے۔

وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا یہ ان کی جانب سے بعث کے امر کو حقیقت سے بعید خیال کرنا اور اس کو جھٹلانا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قل اے محمد! انہیں کہو اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۵۰﴾ اولین سے مراد تمہارے آباء، آخرین سے مراد تمہاری ذاتیں ہیں۔ مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ مراد یوم قیامت ہے۔ کلام کا معنی قسم ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان لَمَجْمُوْعُوْنَ میں لام کا دخول قسم کے معنی پر دال ہے یعنی تم ضرور جمع ہو گے یہ حقیقی قسم ہے جو تمہاری باطل قسم کے خلاف ہے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ہو الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ بعث کو جھٹلانے والے ہو۔ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 456 | 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 457 | 3۔ ایضاً

زَقُّوۡمٍ ۝ زَقُّوۡمٍ سے مراد ایسا درخت ہے جس کا منظر بڑا کریہہ ہوتا ہے اور اس کا ذائقہ بھی بڑا ناپسندیدہ ہوتا ہے۔ یہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ صافات میں گزرا ہے۔

فَمَالِـُٔوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ۝ ھا ضمیر سے مراد شجرہ ہے کیونکہ شجر سے مقصود شجرہ ہی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ پہلا من زائدہ ہو یہ بھی جائز ہے کہ مفعول محذوف ہو گویا فرمایا: لا کلون من شجر من زقوم طعاما من زقوم شجر کی صفت ہے جب تو نے جار کو زائد مقدر کیا تو صفت کو معنی کے اعتبار سے نصب دے گا یا لفظ کے اعتبار سے جر دے گا۔ اگر تو مفعول کو محذوف مقدر کرے تو صفت محل جر میں ہوگی۔

فَشٰرِبُوۡنَ عَلَيۡهِ، ہ ضمیر سے مرد زقوم، اکل یا شجر ہے کیونکہ یہ مذکر و مونث استعمال ہوتے ہیں مِنَ الۡحَمِيۡمِ ۝ اس سے مراد ابلا ہوا پانی ہے جس کا جوش سخت ہو۔ یہ جہنمیوں کی پیپ ہے یعنی بھوک کے ساتھ جو وہ زقوم کھائیں گے وہ پیاس کا باعث ہوگی۔ وہ پانی پئیں گے وہ گمان یہ کریں گے کہ یہ ان کی پیاس کو زائل کر دے گی تو وہ اسے جوش مارتا ہوا پانی پائیں گے۔

فَشٰرِبُوۡنَ شُرۡبَ الۡهِيۡمِ ۝ یہ نافع، عاصم اور حمزہ کی قرأت ہے باقی قراء نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں عمدہ لغتیں ہیں عرب کہتے ہیں: شَرِبت شُرۡبا و شَرۡبا و شِرۡبا و شُرُبا یعنی شین اور راء پر ضمہ ہے۔ ابوزید نے کہا: میں نے عربوں کو شین کے ضمہ، فتحہ اور کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہوئے سنا ہے فتحہ یہی صحیح مصدر ہے کیونکہ ثلاثی سے ہر مصدر فعل کے وزن پر ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ تو اسے ایک دفعہ کے عمل کی طرف پھیر دیتا ہے تو کہتا ہے: فعلة جس طرح شربة اور ضمہ کے ساتھ یہ اس سے اسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتوح اور مضموم دونوں مصدر ہیں شَرۡب جس طرح اکل، شُرۡب جیسے ذُکر اور شِرۡب جو کسرہ کے ساتھ ہو اس سے مراد مشروب ہے جس طرح طِحن مطحون کے معنی میں ہے ھیم سے مراد پیاسے اونٹ ہیں جو بیماری کی وجہ سے سیراب نہیں ہوتے؛ حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ، سدی اور دوسرے علماء نے یہی کہا: عکرمہ نے یہ بھی کہا ہے: اس سے مراد مریض اونٹ ہیں۔ ضحاک نے کہا: ھیم سے مراد ایسے اونٹ ہیں جنہیں کوئی بیماری لگ جاتی ہے جس کی وجہ سے انہیں شدید پیاس لاحق ہوتی ہے اس کا واحد أھیم ہے اس کی مونث ھیماء ہے اس بیماری کو ھیام کہتے ہیں۔ قیس بن ملوح نے کہا:

يقال به داء الهُيَام أصابه وقد عَلِمت نفسی مكانَ شِفائها(1)

یہ کہا جاتا ہے: اسے ہیام کی بیماری ہے جب کہ میرا نفس اس کی شفاء کے مکان سے آگاہ ہے۔

قوم ھیم پیاسے لوگ۔ ھاموا ھیاما وہ پیاسے ہو گئے عربوں میں سے کچھ اونٹوں کے بارے میں کہتے ہیں: ھائم، ھائمة اس کی جمع ھیم ہے۔

ضحاک، اخفش، ابن عیینہ اور ابن کیسان نے کہا: ھیم سے مراد نرم ہموار زمین ہے جس میں ریت ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ ریت کی طرح پیتے ہیں وہ پانی سے سیراب نہیں ہوتے۔ یہ کہا جاتا ہے جو سیراب نہ ہو وہ اونٹ ہو یا ریت ہو اسے ھیم اور ھیماء کہتے ہیں: صحاح میں ہے: ھیام سے مراد شدید پیاس ہے ھیام سے مراد ایسا عشق جو جنون کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 457

طرح ہو۔ هیام ایسی بیماری ہے جو اونٹ کو لگتی ہے تو وہ زمین میں سرگرداں رہتا ہے چرتا نہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناقة هیاء۔ هیاء سے مراد ایسا جنگل ہے جس میں پانی نہ ہو۔ هیام سے مراد ایسی ریت ہے جو ہاتھ سے بہنے سے نہیں رکتی اس کی جمع هیم ہے جس طرح قذال اور قذل ہے۔ هیام سے مراد پیاسے اونٹ ہیں اس کا واحد هیمان ہے ناقة هیاء جس طرح عطشان کی جمع عطاش آتی ہے۔

هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾ یہ وہ رزق ہے جو ان کے لیے تیار کیا جاتا ہے جس طرح وہ کھانا جو مہمانوں کے لیے بطور تکریم تیار کیا جاتا ہے اس میں استہزاء ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فبشرھم بعذاب الیم۔

ابوسعد ضبی کا قول ہے: جعلنا القَنَا والمرهفاتِ له نُزُلًا ہم نے نیزے اور باریک تلواروں کو اس کے لیے ضیافت کے طور پر تیار کیا۔

یونس بن حبیب اور عباس نے ابوعمرو سے یہ قرأت نقل کی ہے هٰذَا نُزْلُهُمْ یعنی زاء ساکن ہے سورۂ آل عمران کے آخر میں گفتگو اس کے بارے میں گزر چکی ہے یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۵۶﴾ سے مراد یوم جزا یعنی جہنم ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَیْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ﴿۶۰﴾ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

"(آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو (اور سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں ہم ہی نے مقرر کیا ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور و خوض نہیں کرتے"۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْ لَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ تم دوبارہ اٹھائے جانے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے (1)؟ کیونکہ دوبارہ اٹھانا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم نے تمہارے رزق کو پیدا کیا تو تم کیوں اس کی تصدیق نہیں کرتے کہ یہ تمہارا کھانا ہے اگر تم ایمان نہیں بھی لاتے؟

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿۵۸﴾ مراد ہے منی میں سے جو تم عورتوں کی رحموں میں ٹپکاتے ہو۔ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ کیا تم اس سے انسان کی تصویر کشی کرتے ہو۔ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ یا ہم مقدر کرنے والے اور تصویر کشی کرنے والے ہیں یہ ان کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 458

خلاف استدلال اور پہلی آیت کا بیان ہے یعنی جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ ہم اس کو پیدا کرنے والے ہیں کوئی اور پیدا کرنے والا نہیں تو تم دوبارہ اٹھائے جانے کا اعتراف کر لو۔ ابو سمال، محمد بن سمیقع اور اشہب عقیلی نے پڑھا ہے تَمنون یعنی تاء پر فتحہ ہے امنی اور منی دونوں لغتیں ہیں، جس طرح أمذی، مذی، یُمنی، یَمنی، یُمذی، یَمذی؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ میرے نزدیک دونوں کے معنی مختلف ہوں تو امنی کا معنی ہو جب جماع سے انزال ہو اور منی سے مراد ہے جب احتلام سے انزال ہو۔ منی کو منی کہنے کی دو وجہیں ہیں۔ (۱) ایک تو اس کے امناء کی وجہ سے ہے کہ اس کو بہایا جاتا ہے (۲) اس کا اندازہ لگانے کی وجہ سے۔ اس سے لفظ منا ہے جس کے ساتھ وزن کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اس کی مقدار ہوتی ہے اسی طرح منی ہے مخلوق کی تصویر کشی کے لیے صحیح تعداد ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ یہ بھی استدلال ہے یعنی وہ ذات جو موت دینے پر قادر ہے وہ پیدا کرنے پر قادر ہے جب وہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔ مجاہد، حمید، ابن محیصن اور ابن کثیر نے قدرنا دال کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے دال کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: معنی ہے ہم نے اہل آسمان اور اہل زمین کے درمیان برابری کر دی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے فیصلہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ہم نے لکھ دیا۔ معنی قریب قریب ہے۔ اس ذات کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ اگر ہم ارادہ کریں کہ تمہاری جگہ اور پیدا کریں تو کوئی ہم پر غالب نہیں آسکتا۔ گویا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ کا معنی ہے ہم مغلوب نہیں۔ طبری نے کہا: معنی ہے ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا ہے تاکہ ہم تمہاری موت کے بعد تمہاری جنس میں سے دوسروں کو لے آئیں اور تمہاری آجال میں ہم مغلوب نہیں نہ کوئی متاخر آگے ہو سکتا ہے اور نہ متقدم پیچھے ہو سکتا ہے (2)۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾ یعنی جن صورتوں اور ہیئتوں کو تم نہیں جانتے ہم تمہیں ان میں پیدا کر دیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ہم تم کو بندر اور خنزیر بنا دیں جس طرح ہم نے تم سے قبل قوموں کے ساتھ کیا ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں دوبارہ اٹھاتے وقت ایسی صورت میں پیدا کریں جو ان صورتوں سے مختلف ہوں جو تمہاری دنیا میں تھیں مومن اپنے چہرے کی سفیدی کی وجہ سے خوبصورت ہوگا اور کافر اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے بدصورت ہوگا۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے یعنی سیاہ پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گے جو برہوت وادی میں ہوتے ہیں برہوت یمن میں ایک وادی ہے گویا وہ آنکھیں ہیں۔ مجاہد نے کہا: فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ کا معنی ہے ہم نے جس صورت میں چاہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ہم تمہیں ایسے عالم میں پیدا کریں گے جسے تم نہیں جانتے ہو گے اور ایسے مکان میں پیدا کریں گے جس کو تم نہیں جانتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ کیونکہ تم کو نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا کیا جب کہ تم کچھ بھی نہ تھے۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 459 2۔ تفسیر طبری، جز 27، صفحہ 230 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 248

فَلَوْ لَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تم سوچ و بچار کیوں نہیں کرتے؟ حدیث میں ہے ''دوبارہ پیدا کرنے کے جھٹلانے والے پر بڑا تعجب ہے جب کہ وہ پہلی پیدائش کو دیکھتا ہے اس پر بھی تعجب ہے اور جو دوبارہ پیدا کرنے کا اقرار تو کرتا ہے مگر دار قرار کے لیے تگ و دو نہیں کرتا''۔ عام قرأت النشأۃ ہے۔ مجاہد، حضرت حسن بصری، ابن کثیر اور ابو عمرو نے النشاءۃ الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝

''کیا تم نے غور سے دیکھا ہے جو تم بوتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنا دیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ (ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب''۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ یہ دوسری دلیل ہے مجھے اس چیز کے بارے میں بتاؤ: جو تم اپنی زمین میں کاشت کرتے ہو تم اس میں بیج ڈالتے ہو تم اسے کاشت کرتے ہو اور اس سے کھیتی حاصل کرتے ہو تو اس میں بالی اور دانہ بن جاتا ہے یا ہم یہ سب کچھ کرنے والے ہیں تمہارا کام بیج ڈالنا اور زمین پھاڑنا ہے جب تم اس کا اقرار کرتے ہو کہ دانے سے بالی کا نکلنا تمہارے بس میں نہیں تو تم زمین سے مردوں کو نکالنے اور انہیں دوبارہ اٹھانے سے انکار کرتے ہو۔ حرث کی نسبت ان کی طرف کی اور زرع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی کیونکہ حرث ان کا فعل ہے اور ان کے اختیار پر جاری ہوتا ہے اور زرع اللہ تعالیٰ کا فعل ہے وہ اپنے اختیار سے اگاتا ہے ان کے اختیار سے نہیں اگاتا: اس طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''تم میں سے کسی کو یہ نہیں کہنا چاہیے زرعت بلکہ وہ کہے: حرثت کیونکہ زارع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے''۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سنتے: ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ (واقعہ) جو آدمی بھی زمین میں بیج ڈالتا ہے اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنے کے بعد یہ پڑھے اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ پھر وہ کہے: بل اللہ الزارع والمنبت والمبلغ اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل فرما ہمیں اس کا پھل عطا فرما، اس کے ضرر سے ہمیں دور رکھ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر بجالانے والا بنا دے، اپنی نوازشات کا ذکر کرنے والا بنا دے اور اس میں ہمارے لیے برکت رکھ دے یا رب العالمین!۔

یہ کہا جاتا ہے: یہ قول اس کھیتی کے لیے تمام آفات سے امان ہوگا، وہ کیڑا ہو، ٹڈی دل ہو یا کوئی اور چیز ہو۔ ہم نے ثقہ لوگوں سے اسے سنا ہے اس کا تجربہ کیا گیا ہے تو اسی طرح پایا گیا۔ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ یعنی تم اسے کھیتی بناتے ہو۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: فلان زارع جس طرح کہا جاتا ہے حراث یعنی وہ ایسا کام کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کھیتی ہو جو کاشتکاروں کو خوش کرے۔ بعض اوقات بطور مجاز زرع کا لفظ زمین میں بیج ڈالنے اور ہل چلانے پر بھی بولا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ نہی راہنمائی کے لیے ہے یہ نہی روکنے اور واجب کرنے کے لیے نہیں اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا

ارشاد ہے: لا یقولون أحد کم عبدی و أمتی ولیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی تم میں سے کوئی آدمی یہ نہ کہے عبدی وامتی بلکہ وہ کہے غلامی، جاریتی، فتای، فتاتی۔ سورۂ یوسف میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ بعض علماء نے اس میں مبالغہ سے کام لیا اور کہا: وہ یہ نہ کہے حرثت فاصبت بلکہ کہے أعاننی الله فحرثت و أعطانی بفضله ما أصبت الله تعالیٰ نے میری مدد کی تو میں نے کھیتی باڑی کی اس نے مجھے اپنے فضل سے نوازا تو میں نے اسے پالیا۔

ماوردی نے کہا: یہ آیت دو امور کو متضمن ہے (۱) ان پر احسان جتلایا کہ اس نے ان کی کھیتی کو اگایا یہاں تک کہ اس کے ذریعے وہ زندہ رہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعام کیا ہے اس پر وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) ایسی دلیل جو عبرت حاصل کرنے کو لازم کرتی ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی کو اگایا جب کہ بیج ناپید ہو چکا تھا اور انتہائی بری حالت میں منتقل ہو چکا تھا کہ وہ مٹی میں مل چکا تھا یہاں تک کہ وہ سرسبز وشاداب کھیتی بن گیا پھر اسے اس سے کئی گناہ قوی بنا دیا جس پر وہ پہلے تھا تو جو انسان فوت ہو چکا ہے اس کو دوبارہ زندہ کرنا اس کے لیے بہت ہی آسان ہے اور وہ اس پر زیادہ قادر ہے یہ دلیل فطرت سلیمہ کے لیے کافی وشافی ہے پھر فرمایا: لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا اگر ہم چاہتے تو اس کھیتی کو ریزہ ریزہ بنا دیتے (1)۔ حطام ایسی ریزہ ریزہ چیز کو کہتے ہیں جس سے کھانے اور غذا کے طور پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے ساتھ دو امور پر متنبہ کیا۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے ان کی کھیتی میں جو نعمتیں عطا کیں کہ اسے ریزہ ریزہ نہیں کیا تاکہ وہ اس کا شکر بجالائیں (۲) اس کے ذریعے وہ اپنی ذات کے بارے میں عبرت حاصل کریں جس طرح جب وہ چاہتا ہے کھیتی کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے جس طرح جب وہ چاہے گا انہیں ہلاک کر دے گا تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور ایسا کرنے سے رک جائیں۔

فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اس کے ضائع ہو جانے پر تم تعجب کا اظہار کرتے ہو اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے اس پر شرمندہ ہوتے ہو (2)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ صحاح میں ہے: تفکہ کا معنی ہے اس نے تعجب کا اظہار کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: وہ شرمندہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿۶۵﴾ یعنی تم شرمندہ ہوتے ہو۔ تفکہت بالشئ یعنی میں اس سے لطف اندوز ہوا۔ یمان نے کہا: تم اپنے خرچوں پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہو اس کی دلیل فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِيْهَا (کہف:42)

عکرمہ نے کہا: وہ معصیت جو تم سے ہو چکی اور تمہاری سزا کا موجب ہوئی یہاں تک کہ تمہاری کھیتیوں میں جا پہنچی اس پر تم ملامت کا اظہار کرتے ہو اور شرمندہ ہوتے ہو (3)۔ ابن کیسان نے کہا: تم غمگین ہوتے ہو (4)۔ معنی قریب ہے اس میں دو لغتیں ہیں تفکہون، تفکنون۔ فراء نے کہا: نون عکل کی لغت ہے۔ صحاح میں ہے: تفکن سے مراد جو چیز فوت ہوئی اس پر شرمندگی کا اظہار کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تفکہ کا معنی ہے بے مقصد گفتگو کرنا؛ اسی معنی میں فکاھۃ کا لفظ ہے جو مزاح کے لیے بولا جاتا ہے جہاں تک فکاھۃ کا تعلق ہے تو یہ فکہ الرجل فھو فکہ کا مصدر ہے۔ جب وہ اچھی طبیعت کا اور مزاح کرنے والا ہو۔ عام قرأت فظلتم ہے (5)۔ عبداللہ نے اسے فظِلتم پڑھا ہے۔ ہارون نے حسین سے وہ ابوبکر سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 460 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 249

روایت نقل کرتے ہیں جس نے اسے فتحہ دیا وہ اصل پر ہے اصل میں ظللتم تھا پہلا لام تخفیف کے طور پر حذف کر دیا گیا جس نے ظاء کو کسرہ دیا ہے اس نے پہلے لام کے کسرہ کو ظاء کی طرف منتقل کیا پھر پہلے لام کو حذف کر دیا۔

اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ﴿۶۶﴾ ابو بکر اور مفضل نے اءنا دو ہمزہ کے ساتھ استفہام کی صورت میں پڑھا ہے عاصم نے اسے زر بن جیش سے روایت کیا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ خبر کی صورت میں پڑھا ہے یعنی وہ کہتے ہیں: ہم عذاب میں ہیں (1)۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: غرام سے مراد عذاب ہے؛ اس معنی میں ابن محلم کا قول ہے:

وثقت بأن الحفظ منى سجيةٌ وأن فؤادى مُتْبَلٌ بك مغرمُ(2)

مجھے اعتماد ہے کہ میری طرف سے یاد رکھنا خصلت ہے اور میرا دل تیری وجہ سے پریشان اور عذاب میں ہے۔

مجاہد اور عکرمہ نے کہا: ہمیں شوق اور جوش دلایا گیا تھا؛ اس معنی میں نمر بن تولب کا قول ہے:

كان رَهِينا بها مُغْرَمًا

وہ اس کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اور اسے جوش دلایا گیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغرم فلان بفلانة فلاں فلاں سے بہت محبت کرتا ہے؛ اسی سے غرام ہے یہ ایسی شر ہے جو لازم ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا ہے: وہ شر کو پانے والے ہیں۔ مقاتل بن حیان نے کہا: وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ نحاس نے کہا: اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ یہ لفظ غرام سے مشتق ہے۔ جس کا معنی ہلاکت ہے جس طرح شاعر نے کہا۔

يوم النسار ويوم الجفا ر كانا عذابا، كانا غراما(3)

یوم نسار (چشمہ کا نام) اور یوم جفار (جگہ کا نام) دونوں عذاب اور ہلاکت تھے۔

ضحاک اور ابن کیسان نے کہا: یہ غرم سے مشتق ہے مغرم اسے کہتے ہیں جس کا مال بغیر عوض کے چلا جائے یعنی ہمارا وہ دانہ بھی ضائع ہو گیا جو ہم نے بویا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: ہمارا محاسبہ کیا جائے گا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴿۶۷﴾ یعنی ہم نے جس شادابی کا مطالبہ کیا تھا اس سے ہمیں محروم کر دیا گیا۔ محروم اسے کہتے ہیں جس کو رزق سے روک دیا گیا ہو محارف، مرزوق کی ضد ہے۔ قتادہ کے قول میں یہی محارف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی زمین کے پاس سے گزرے پوچھا: ''کس چیز نے تمہیں کھیت کو کاشت کرنے سے روکا''۔ انہوں نے عرض کی: زمین کے بنجر ہونے نے۔ فرمایا: ''ایسا نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے انا الزارع میں کھیتوں کو اگانے والا ہوں، میں چاہوں تو میں پانی کے ساتھ کھیتی کو اگاؤں، چاہوں تو ہوا کے ساتھ اگاؤں اور چاہوں تو بیج کے ساتھ اگاؤں''۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی: **اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ﴿۶۳﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴿۶۴﴾** (الواقعہ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں اور اس سے قبل کی حدیث میں وہ دلیل موجود ہے جو اس کے قول کی صحت کو ثابت کرتی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ہے جس نے زارع کے لفظ کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں داخل کیا ہے۔ اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ہم نے اس کی وضاحت الکتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی میں کر دی ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ ﴿70﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿71﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِــُٔوْنَ ﴿72﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿73﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾

''کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنا دیتے پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لیے تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی''۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿68﴾ تاکہ اس کے ساتھ تم اپنے آپ کو زندہ رکھو اور اس کے ساتھ اپنی پیاس کو سکون بہم پہنچاؤ کیونکہ مشروب کھانے کے تابع ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے آیت میں کھانے کا ذکر پہلے ہوتا ہے کیا تو دیکھتا نہیں کہ تو مہمان کو کھانا کھلانے کے بعد اسے پلاتا ہے۔

ایک عرب کو مشروب پلایا گیا تو اس نے کہا: أنا لا أشرب إلا علی ثمیلة میں نہیں پیتا مگر ہلکے پیٹ والا ہو کر۔

ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ، مزن سے مراد بادل ہے اس کا واحد مزنہ ہے؛ شاعر نے کہا:

فنحنُ كماءِ الْمُزْنِ مافي نِصَابِنَا كَهَامٌ ولا فينا يُعَدُّ بَخِيلُ(1)

ہم بادل کے پانی کی طرح ہیں نہ ہماری اصل میں کوئی مال سے خالی ہے اور نہ ہی ہم میں کوئی بخیل شمار ہوتا ہے۔

یہ حضرت ابن عباس، مجاہد وغیر ہما کا قول ہے کہ مزن سے مراد بادل ہے۔ حضرت ابن عباس اور ثوری سے یہ مروی ہے کہ مزن سے مراد آسمان اور بادل ہے۔ صحاح میں ہے ابو زید نے کہا: مزنہ سے مراد سفید بادل ہے اس کی جمع مزن ہے مزنہ سے مراد بارش ہے شاعر نے کہا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ أَنْزَلَ مُزْنَةً

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کیا۔

اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿69﴾ جب تم نے پہچان لیا کہ میں نے اسے نازل کیا ہے تو تم میرے لیے عبادت کو خاص کر کے شکر

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 249

کیوں نہیں بجالاتے اور تم دوبارہ پیدا کرنے کی میری قدرت کا کیوں انکار کرتے ہو؟

لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا یعنی ایسا نمکین جو حد درجہ نمکین ہو؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سخت کڑوا تم پینے، کاشت وغیرہ میں اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کرتے۔ فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ۝ تو کیا تم اس کا شکر بجا نہیں لاؤ گے جس نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُوْرُوْنَ۝ مجھے اس آگ کے بارے میں تو بتاؤ جسے تم تر درخت سے رگڑنے کے ساتھ نکالتے ہو۔ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ جس درخت سے آگ جلائی جاتی ہے وہ مرخ اور عفار ہے: اسی معنی میں ان کا قول ہے: ہر درخت میں آگ ہے مرخ اور عفار میں زیادہ ہے گویا ان دونوں نے اس سے وہ حصہ لیا جو انہیں کافی ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: کیونکہ یہ دونوں آگ کو جلدی پھیلاتے ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: أوْرِيتُ النّار جب تو اسے جلائے۔ وَرِي الزَّنْدُ يَرِي جب اس سے آگ نکلے اس میں ایک اور لغت بھی ہے وَرِي الزَّنْدُ يَرِي یعنی ماضی اور مضارع کے عین کلمہ میں کسرہ ہے۔ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ۝ یا ہم پیدا کرنے والے ہیں یعنی جب تم میری قدرت کو پہچان چکے تو میرا شکر بجا لاؤ اور دوبارہ اٹھانے پر میری قدرت کا انکار نہ کرو۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً یعنی دنیا کی آگ بڑی آگ کے لیے نصیحت ہے(1)؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ لوگوں کے لیے تاریکی سے بصیرت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ صحیح روایت مروی ہے "تمہاری یہ آگ جسے انسان روشن کرتے ہیں یہ جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو کافی ہے فرمایا: "جہنم کی آگ انہتر گنا زائد ہے ان میں سے ہر جز دنیا کی آگ کی گرمی کی مثل ہے"۔

وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ۝ ضحاک نے کہا: یہ مسافروں کے لیے نفع کا باعث ہے(2)۔ اسے یہ نام اس لیے دیا کیونکہ وہ چٹیل میدان میں اترتے جسے قوی کہتے۔ فراء نے کہا: مسافروں کو مقوین کہا جاتا جب وہ چٹیل جگہ پر ڈیرہ ڈالتے جہاں کوئی چیز نہ ہوتی؛ اسی طرح قوی اور قواء ہے منزل قواء ایسی جگہ کو کہا جاتا جہاں کوئی انس کرنے والا نہ ہوتا۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقوت الدار، قویت الدار جب وہ اپنے مکینوں سے خالی ہو جائے۔

عنترہ نے کہا:

حُيِّيتَ مِنْ طَلَلٍ تَقَادَمَ عَهْدُهُ ... أَقْوَىٰ وَأَقْفَرَ بَعْدَ أُمِّ الْهَيْثَمِ(3)

تجھے طلل کی جانب سے سلام پہنچے جس کا زمانہ پہلے گزر چکا ہے جو ام ہیثم کے بعد بے آباد ہو چکا ہے۔

یہ جملہ کہا جاتا ہے: أَقْوَى أصحابه وقَوِي أصحابه۔

أقوى إذا سافر یعنی وہ قواء اور قی میں فروکش ہوا۔ مجاہد نے کہا: لِلْمُقْوِیْنَ کا معنی ہے تمام لوگ سالن پکانے، روٹی پکانے، گرمائش حاصل کرنے اور روشنی حاصل کرنے میں اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس کے ساتھ جہنم کی آگ کو یاد دلایا جاتا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 250

ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بھوکوں کے لیے ان کے کھانے کے بنانے میں فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بنا دیا ہے(1) یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقویت منذ کذا و کذا یعنی میں نے اتنے عرصہ سے کوئی چیز نہیں کھائی بات فلان القواء و بات القفر جب اس نے کوئی چیز کھائے بغیر بھوکے رات گزاری۔

شاعر نے کہا:

اِنّیِ لَأَخْتَارُ الْقَوَیٰ طَاوِیَ الْحَشٰی

میں بھوکا رہنے کو پسند کرتا ہوں۔

ربیع اور سدی نے کہا: المقوین سے مراد ایسے فروکش ہونے والے ہیں جن کے پاس آگ نہیں ہوتی جس کو وہ جلائیں اور اس کے ساتھ کھانا پکائیں؛ اسے عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ قطرب نے کہا: مقوی اضداد میں سے ہے یہ فقیر اور غنی کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اقوی الرجل جب اس کے پاس زادِ راہ نہ ہو اقوی جب اس کے پاس بہت زیادہ چوپائے ہوں اور مال بہت زیادہ ہو۔

مہدوی نے کہا: یہ آیت تمام لوگوں کے لیے مناسب ہے کیونکہ آگ ایسی چیز ہے جس کے مسافر، مقیم، غنی اور فقیر ضرورت مند ہوتے ہیں؛ ثعلبی نے بیان کیا ہے۔ اکثر مفسرین پہلے قول کی طرف گئے ہیں۔ قشیری نے کہا: اس سے انتفاع کے اعتبار سے مسافر کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ مسافر مقیم کی بنسبت اس سے زیادہ نفع حاصل کرتا ہے کیونکہ جنگل و صحرا میں رہنے والوں کو رات کے وقت آگ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تاکہ درندے اس سے دور رہیں اس کے علاوہ بھی انہیں ضرورت ہوتی ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾ مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف جو شریکوں کی اور دوبارہ اٹھانے سے عجز کی نسبت کی ہے اس سے اس کی پاکی بیان کر۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿٧٥﴾ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا ایک کتاب میں جو محفوظ ہے اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العالمین کی طرف سے''۔

اس میں سات مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ فَلَآ اُقْسِمُ اکثر مفسرین کے نزدیک لا زائدہ ہے(2) معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں اس کی دلیل وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ ہے فراء نے کہا: یہ نفی ہے۔ معنی ہے معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا۔ اقسم میں قسم اٹھاتا ہوں۔ بعض اوقات ایک آدمی کہتا ہے: لا واللہ، کان کذا اس سے وہ قسم کی نفی کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ پہلی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 461 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 462

کلام کی نفی کا ارادہ کرتا ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تو نے ذکر کیا بلکہ معاملہ اس طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا، الا کے معنی میں ہے جو تنبیہ کے لیے ہے۔

اس کے ساتھ قرآن کی فضیلت پر متنبہ کیا تا کہ وہ اس میں غور وفکر کریں یہ شعر نہیں، جادو نہیں اور کہانت بھی نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے۔ حضرت حسن بصری، حمید اور عیسیٰ بن عمر نے فلاقسم لام کے بعد الف کے بغیر پڑھا یہ تحقیق کے معنی پر وال ہے۔ یہ فعل حال ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی فلانا أقسم بذلك اگر اس سے مستقبل کا زمانہ مراد لیا جاتا تو نون لازم ہوتی۔ جب فعل سے استقبال مراد لیا جائے تو بعض اوقات نون کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ شاذ ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۞ قتادہ اور دوسرے علماء کے نزدیک مواقع النجوم سے مراد ان کے گرنے اور غروب ہونے کی جگہیں ہیں۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا: مراد ان کی منازل ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کے روز ان کا بے نور ہونا اور بکھر کر گر جانا ہے (1)۔ ضحاک نے کہا: مراد وہ ستارے ہیں جن کے بارے میں دور جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے جب ان پر بارش ہوتی (2): ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی۔ ماوردی نے کہا: فَلَآ اُقْسِمُ یہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوتا ہے نفی کا معنی دیتا ہے (3)۔ قشیری نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کا ارادہ کرے اس کی قسم اٹھا دے جب کہ ہمارے لیے جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات قدیمہ کے سوا کسی چیز کی قسم اٹھا دیں۔

میں کہتا ہوں: اس امر پر حضرت حسن بصری کی قرأت فلاقسم دلالت کرتی ہے (4) اور اسی طرح وہ قسمیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ مخلوقات میں سے جن چیزوں کی قرآن حکیم میں مختلف مواقع پر قسم اٹھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مواقع النجوم سے مراد قرآن حکیم کا آیت در آیت نازل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بالا آسمان سے لوح محفوظ سے سفرہ کاتبین پر نازل کیا سفرہ نے جبریل امین پر بیس راتوں میں نازل کیا اور جبریل امین بیس (5) سالوں تک تھوڑا تھوڑا کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے۔ حضرت جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی مناسبت سے اسے نازل کرتے تھے؛ اسے ماوردی نے حضرت ابن عباس اور سدی سے روایت کیا ہے (6)۔

ابو بکر انباری نے کہا اسماعیل بن ابی اسحاق، قاضی حجاج بن منہال سے وہ ہمام سے وہ کلبی سے وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ قرآن حکیم آسمان دنیا میں پر ایک ہی دفعہ نازل ہوا۔ پھر زمین کی طرف تھوڑا تھوڑا نازل ہوا اس کے بعد اسے پانچ پانچ اور کم وبیش کی صورت میں الگ الگ نازل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۞ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۞ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ۞ کا یہی مفہوم ہے۔ فراء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مواقع النجوم سے مراد محکم القرآن ہے (7)۔ حمزہ اور کسائی نے بموقع کا لفظ پڑھا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً

4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 463 | 5۔ وحی کا عرصہ بائیس سال سے کچھ اوپر ہے۔

6۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 | 7۔ ایضاً

ہے؛ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، نخعی، اعمش، ابن محیصن اور رویس نے یعقوب سے یہ روایت نقل کی ہے۔ باقی قراء نے جمع کا صیغہ پڑھا ہے۔ جس نے اسے مفرد پڑھا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے جس میں واحد کو جمع کے قائم مقام رکھا جاتا ہے جس نے اسے جمع کا صیغہ پڑھا ہے تو اس کی انواع کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھاء ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے کہ قرآن عظیم قسم ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جس کی قسم اٹھائی ہے وہ عظیم ہے(2)۔ وہ قرآن کریم ہے۔ مقسم علیہ کا ذکر کیا یعنی نجوم کے مواقع کی قسم اٹھائی کہ بے شک یہ قرآن، قرآن کریم ہے(3)، یہ سحر اور کہانت نہیں، اس میں کوئی افتراء نہیں بلکہ یہ قرآن کریم اور محمود ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے نبی کے لیے معجزہ بنایا ہے۔ یہ مومنوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفاء ہے۔ آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا کلام ہے، ان کے سینوں کے لیے شفا ہے آسمان والوں کے لیے بڑا معزز ہے کیونکہ یہ ان کے رب کا نازل کردہ اور وحی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کریم سے مراد ہے وہ غیر مخلوق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کریم اس لیے ہے کیونکہ اس میں اخلاق اور امور کے عظیم معانی کا ذکر ہے(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حافظ کی عزت کی جاتی ہے اور اس کے قاری کی تعظیم بجالائی جاتی ہے(5)۔

مسئلہ نمبر 4۔ یہ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ مَّكْنُوْنٍ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے(6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ باطل سے محفوظ ہے(7)۔ یہاں کتاب سے مراد آسمان میں کتاب ہے(8)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ جابر بن زید اور حضرت ابن عباس نے کہا: مراد لوح محفوظ ہے(9)۔ عکرمہ نے کہا: مراد تورات و انجیل ہے(10) ان دونوں میں قرآن کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے جس پر قرآن نازل ہوگا۔ سدی نے کہا: مراد زبور ہے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: مراد وہ صحف ہیں جو ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔

مسئلہ نمبر 5۔ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ لَا يَمَسُّهٗ کے معنی میں اختلاف ہے کیا یہ اعضاء سے مس کرنے کے معنی میں ہے(11) یا اس کے معنی کو چھونا مراد ہے؟ اس طرح الْمُطَهَّرُوْنَ میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت انس اور حضرت سعید بن جبیر نے کہا کہ اس کتاب کو مس نہیں کرتے مگر وہ جو گناہوں سے پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے ہیں۔ ابو العالیہ اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو گناہوں سے پاک ہیں جس طرح ملائکہ میں سے رسل اور انسانوں میں سے رسل۔ جبریل امین جو اس کو لاتے رہے وہ مطہر ہیں اور وہ رسول جن کے پاس وہ لاتے رہے وہ بھی مطہر ہیں۔ کلبی نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 463 | 2۔ ایضاً | 3۔ ایضاً | 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً | 6۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 464 | 7۔ ایضاً | 8۔ ایضاً
9۔ ایضاً | 10۔ ایضاً | 11۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1737

مراد سفرہ، کرام بررہ ہیں۔ یہ سب ایک ہی قول ہے۔ یہ اس کی مثل ہے جو امام مالک نے اختیار کیا ہے آپ نے فرمایا: میں نے لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ کی تفسیر میں جو سب سے بہترین قول سنا وہ یہ ہے کہ یہ اس آیت کے قائم مقام ہے جو سورۂ عبس میں ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝ اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ مطہرین سے مراد وہ فرشتے ہیں جن کی صفت سورۂ عبس میں طہارت سے ذکر کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَّا يَمَسُّهُۥٓ کا معنی ہے اسے لے کر نازل نہیں ہوتے مگر فرشتوں میں سے رسول جو انبیاء میں سے رسولوں پر نازل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لوح محفوظ جو کتاب مکنون ہے اسے نہیں چھوتے مگر پاکیزہ فرشتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت اسرافیل کو یہ ذمہ داری سونپی گئی؛ قشیری نے اس کی حکایت بیان کی۔ ابن عربی نے کہا: یہ باطل ہے کیونکہ فرشتے اسے کسی وقت بھی نہیں پکڑتے اور اس تک کسی وقت بھی رسائی حاصل نہیں کرتے اگر یہ مراد ہو تو اس میں استثناء کی کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی۔ جس نے یہ کہا کتاب سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ زیادہ مناسب ہے۔ امام مالک اور دوسرے علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ عمرو بن حزم کا مکتوب جو رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لکھا تھا اس میں یہ خط حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے شرحبیل بن عبد کلال، حرث بن عبد کلال اور نعیم بن عبد کلال کی طرف ہے جو ذی رعین معاصر اور ہمدان کے بادشاہ ہیں (1)۔ اما بعد، آپ کے مکتوب میں تھا خبردار! قرآن کریم نہ چھوئے مگر پاک آدمی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: تو قرآن کو نہ چھوئے مگر اس وقت جب تو پاک ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن نے حضرت عمر کے اسلام لانے کے موقع پر کہا تھا جب کہ وہ ان کے پاس گئے اور صحیفہ منگوایا تو حضرت عمر کی بہن نے کہا: لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ اسے پاک لوگ ہی چھوتے ہیں، حضرت عمر اٹھے، غسل کیا اور اسلام لائے۔ یہ واقعہ سورۂ طٰہٰ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہاں مطہرون سے مراد احداث اور انجاس سے پاک لوگ ہیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ شرک سے پاک ہوں (3)۔ ربیع بن انس نے کہا: وہ گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوں (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے موحد ہی پڑھیں؛ یہ محمد بن فضیل اور عبدہ کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس چیز سے منع کیا کرتے تھے کہ یہود و نصاریٰ میں سے کسی کو قرآن پڑھنے کا موقع دیا جائے۔ فراء نے کہا: اس کا ذائقہ، اس کا نفع اور اس کی برکت قرآن پر ایمان رکھنے والا ہی پا سکتا ہے (5)۔ ابن عربی نے کہا: یہ امام بخاری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ذاق طعم الإيمان من رضي بالله ربا و بالإسلام دينا و بمحمد صلى الله عليه وسلم نبيا (6) جو اللہ تعالیٰ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ حسین بن فضل نے کہا: اس کی تفسیر اور تاویل کو کوئی نہیں پہنچ سکتا مگر جسے اللہ تعالیٰ نے شرک اور نفاق سے پاک کر لیا ہو۔

1۔ موطا امام مالک، کتاب القرآن، الأمر بالوضوء عن مس القرآن، صفحہ 185 — 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464
3۔ ایضاً — 4۔ ایضاً — 5۔ ایضاً
6۔ جامع ترمذی، ما جاء فی ترک الصلوٰۃ، جلد 2، صفحہ 86 — 7۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464

ابوبکر وراق نے کہا: اس پر عمل کرنے کی توفیق نہیں دی جاتی مگر سعادت مندوں کو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ثواب کو مس نہیں کرے گا مگر مومن (7)؛ اسے حضرت معاذ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیت کا ظاہر شرع کی خبر ہے یعنی شرعی طور پر پاکیزہ لوگ ہی اسے چھوتے ہیں اگر ان کے برعکس پایا گیا تو یہ شرع کے خلاف ہوگا؛ یہ قاضی ابوبکر بن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ اور اس امر کو باطل قرار دیا ہے کہ اس کا لفظ تو خبر کا لفظ ہو اور اس کا معنی امر کا ہو۔ سورۂ بقرہ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ یہ امر ہو اور سین کا ضمہ اعراب کا ضمہ ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ نہ ہو اور سین کا ضمہ مبنی ہونے کا ضمہ ہو اور فعل مجزوم ہو۔

مسئلہ نمبر 6۔ علماء نے وضو کے بغیر مصحف کے چھونے میں اختلاف کیا ہے جمہور نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ حضرت عمرو بن حزم کی حدیث اس بارے میں مروی ہے؛ یہ حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم عطا، زہری، نخعی، حکم، حماد اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے ان میں امام مالک اور امام شافعی بھی ہیں یہ حضرت امام ابوحنیفہ سے مختلف روایات مروی ہیں ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ محدث اسے چھو سکتا ہے۔ سلف صالحین کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے ان میں حضرت ابن عباس، امام شعبی وغیرہ ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس کے ظاہر، حواشی اور جس میں مکتوب نہ ہو اس کو چھوا جا سکتا ہے جہاں تک مکتوب کا تعلق ہے اسے پاکیزہ آدمی ہی چھو سکتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: اگر اسے کوئی تسلیم بھی کرے تب بھی یہ ان چیزوں میں سے ہے جس پر حجت غالب ہے کیونکہ ممنوع کا حریم بھی ممنوع ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو جو خط لکھا اس کے خلاف قوی ترین دلیل ہے۔ امام مالک نے کہا: جو آدمی حالت طہارت میں نہ ہو نہ اسے کسی واسطہ سے اٹھائے اور نہ ہی تکیہ پر رکھ کر اٹھائے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں اور جو آدمی کسی واسطہ سے اسے اٹھاتا ہے یا کسی واسطہ سے چھوتا ہے اسے منع نہیں کیا۔ حکم، حماد اور داؤد بن علی سے مروی ہے کہ مصحف کو اٹھانے اور اس کے چھونے میں کوئی حرج نہیں، وہ مسلمان ہو یا کافر ہو، حالت طہارت میں ہو یا حالت حدث میں ہو مگر داؤد ظاہری نے اس سے اختلاف کیا ہے کہا مشرک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اسے اٹھائے۔ وہ اس کی اباحت کا استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو خط لکھا جب کہ یہ تو مجبوری کا موقع تھا اس میں کوئی دلیل نہیں۔ بچوں کے اسے چھونے میں دو صورتیں ہیں (۱) بالغ پر قیاس کرتے ہوئے اسے منع کیا جائے گا (۲) یہ جائز ہے کیونکہ اگر بچے کو اس سے روک دیا جائے گا تو قرآن کی حفاظت نہ کی جا سکے گی کیونکہ بچے کا سیکھنا صغر سنی کی عمر میں ہی ہوا کرتا ہے بچے کو اگرچہ طہارت حاصل ہوتی ہے مگر وہ کامل نہیں ہوتی، کیونکہ بچے کی جانب سے نیت درست نہیں ہوتی۔ جب اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کامل طہارت کے بغیر اسے اٹھائے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ حالت حدث میں اسے اٹھا لے۔

مسئلہ نمبر 7۔ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ یعنی رب العالمین کی جانب سے نازل کی گئی ہے جس طرح ضرب الامیر اور نسج الیمن میں مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تنزیل اللہ تعالیٰ کے فرمان اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ۝ کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَنْزِيْلٌ یہ ہو مبتدا کی خبر ہے۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْ لَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْ لَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

''کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو اور اس کی بے پایاں برکتوں سے تم نے اپنا یہی نصیب لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے۔ پس تم کیوں نہیں لوٹا دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو اور ہم اس وقت بھی تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو''۔

اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ، هذا الحديث سے مراد قرآن ہے اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ مُّدْهِنُوْنَ کا معنی ہے جھٹلاتے ہو؛ یہ حضرت ابن عباس، عطا اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے (1)۔ مدھن اسے کہتے ہیں جس کا ظاہر اس کے باطن کے خلاف ہو۔ گویا اسے دہن (تیل) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ اس کے ظاہر میں نرمی اور ملائمت ہوتی ہے۔ مقاتل بن سلیمان اور قتادہ نے کہا: مُّدْهِنُوْنَ کا معنی ہے کافرون۔ اس کی مثل وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ (القلم) مورج نے کہا: مدھن سے مراد منافق یا کافر ہے جو خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے تا کہ اپنے کفر کو چھپائے۔ ادھان اور مداھنہ کا معنی جھٹلانا۔ کفر کرنا اور نفاق کرنا ہے۔ اس کا اصل معنی نرمی کرنا ہے اور جو ظاہر کرے اس کے برعکس کو اپنے اندر چھپانا ہے۔ ابوقیس بن سلت نے کہا:

الحَزْمُ والقُوَّةُ خيرٌ من الإدهان والفَهَّةِ والهاعِ

احتیاط اور قوت نفاق، عاجزی اور حرص سے بہتر ہے۔

ادھن اور داھن دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ کچھ لوگوں کا نقطہ نظر ہے داھنت کا معنی ہے تو نے چھپایا اور ادھنت کا معنی ہے تو نے دھوکہ کیا۔ ضحاک نے کہا: مدھنون کا معنی ہے تم عرض کرنے والے ہو (2)۔ مجاہد نے کہا: کفر کے باوجود کفار سے دوستی کرنے والے ہیں (3)۔ ابن کیسان نے کہا: مدھن اسے کہتے ہیں جو یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر کیا حق ہے اور حیلے بہانوں سے اسے ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک لغوی نے کہا: مدھنون کا معنی ہے قرآن کو قبول کرنے میں وہ یقین کو ترک کرنے والے ہیں۔

وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم نے اپنے شکر کو جھٹلانا بنا لیا ہے۔ ہشیم بن عدی نے کہا: یہ ازدشنوءہ کی لغت میں سے ہے ما رزق فلان بھم اد ہے اس کا شکر کیا ہے یہ مناسب ہے کہ رزق کے اسم کو شکر کی جگہ رکھا جائے کیونکہ رزق کا شکر اس میں زیادتی کا تقاضا کرتا ہے تو شکر اس معنی کی وجہ سے رزق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ سے اصل مقصود ہے وتجعلون شکر رزقکم تم نے اپنے رزق کا شکر (جو اگر تم سے پایا جاتا تو وہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 464 2۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 465 3۔ ایضاً

تمہارے لیے رزق کی صورت میں لوٹنا) یہ بنالیا ہے کہ تم رزق کو جھٹلاتے ہو، یعنی تم شکر کی جگہ رزق کو رکھتے ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَآءً وَّ تَصْدِيَةً (الانفال:35) یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ نماز کی جگہ سیٹیاں بجاتے ہیں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اس میں اس امر کی وضاحت ہے کہ بندوں کو جو بھی بھلائی پہنچی ہے تو ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ایسے واسطوں کے جانب سے دیکھیں جس کے بارے میں عام قاعدہ ہے کہ وہ واسطے اسباب ہوں بلکہ مناسب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے دیکھیں پھر اگر وہ نعمت ہے تو اس کے بالمقابل شکر کریں اور اگر وہ امر ناپسندیدہ ہو تو اس پر صبر کریں مقصود اس کے سامنے اپنی عبودیت اور عاجزی کا اظہار ہو۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وتجعلون شکرکم أنکم تکذبون (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے: اس سے مراد ستاروں سے بارش کو طلب کرنا ہے، یہ عربوں کا قول ہے مطرنا بنوء کذا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی؛ حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے روایت کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں پر بارش کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں میں سے کچھ نے شکر گزار بندے کی حیثیت سے صبح کی اور ان میں سے کچھ نے کافر کی حیثیت سے صبح کی قالوا هذہ رحمة الله وقال بعضهم لقد صدق نوء کذا و کذا۔ انہوں نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور بعض نے کہا: فلاں فلاں ستارہ نے سچ کہا (2)، تو یہ آیت نازل ہوئی: فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُومِ ﴿٧٥﴾ وَ إِنَّهُ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِي كِتٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾ أَفَبِهٰذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُّدْهِنُونَ ﴿٨١﴾ وَ تَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے وہ پیاسے ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں اور تم پر بارش ہو جائے تو ممکن ہے تم کہو: هذا المطر بنوء کذا یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ہے'' (3)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ ان ستاروں کا وقت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھی، اپنے رب سے دعا کی، ہوا چلی پھر بادل آئے تو لوگوں پر بارش ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلے ایک آدمی کے پاس سے گزرے جب کہ آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی وہ اپنے پیالے سے پانی بھر رہا تھا وہ کہہ رہا تھا ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی، اس نے یہ نہ کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے تو یہ آیت نازل ہوئی وَ تَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ﴿٨٢﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس پر شکر بجالانے کی بجائے تم نے اپنا حصہ یہ بنالیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جھٹلاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو: ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: جعلت إحسانی إلیك إساءة منك إلی میں نے تجھ پر جو احسان کیا تھا اس کا بدلہ تو نے میرے ساتھ برائی کرنے کو بنادیا۔ اور میرا تجھ پر جو انعام تھا اس کا تو نے یہ بدلہ دیا کہ تو نے مجھے اپنا دشمن بنالیا۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162
2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59
3۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 162

مؤطا میں حضرت زید بن خالد جہنی سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حدیبیہ کے مقام پر صبح کی نماز پڑھائی جب کہ رات کو بارش ہوئی تھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا: ''جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟''(1) صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ نے مجھ پر ایمان کی حالت میں صبح کی اور ستارے کے ساتھ کفر کیا۔ جس نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے ساتھ مجھ پر بارش کی گئی تو وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے جس نے کہا مجھ پر فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے بارش کی گئی تو وہ ستارے پر ایمان رکھنے والا اور میرے ساتھ کفر کرنے والا ہے''۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا: میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی کہے مطرنا بنوء کذا و کذا اگرچہ ہمارے نزدیک نوء ایسا وقت ہے جو مخلوق ہے نہ نقصان دیتا ہے اور نہ نفع دیتا ہے، نہ بارش برساتا ہے اور نہ بارش کو روکتا ہے۔ جو پسند کرے تو یہ کہے: مطرنا وقت کذا کما تقول مطرنا شھر کذا ہم پر فلاں وقت بارش ہوئی جس طرح تو یہ کہتا ہے ہم پر فلاں مہینہ میں بارش کی گئی جس نے یہ کہا: مطرنا بنوء کذا وہ یہ ارادہ کرتا ہو کہ نوء نے بارش کو نازل کیا ہے جس طرح دور جاہلیت میں بعض مشرک ارادہ کرتے تھے تو وہ کافر ہوگا۔ اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کا خون حلال ہوگا۔

ابو عمر بن عبد البر نے کہا: جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کی حکایت بیان کرتے ہیں اصبح من عبادی مومن بی و کافر(2) میرے نزدیک اس کے معنی کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ نوء ہی بارش نازل کرنے والا ہے، وہی بادل کو پیدا کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا نہیں کیا وہ صریح کافر ہوگا، اس سے توبہ طلب کرنا ضرور ہوگا اگر وہ انکار کرے تو اسلام کو چھوڑنے اور قرآن کو رد کرنے کی وجہ سے اسے قتل کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے وہ یہ اعتقاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس ستارے کے ذریعے بارش نازل فرماتا ہے یہ بارش کا سبب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر کیا ہے اور اس کے علم میں پہلے سے موجود ہے۔ اگرچہ یہ مباح صورت ہے پھر بھی اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار ہے اور اس کی لطیف حکمت سے جہالت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے بارش نازل فرماتا ہے کبھی کسی ستارے کے واسطہ سے اور کبھی کسی ستارے کے واسطہ سے۔ بے شمار مواقع پر ستارے ظاہر ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بارش نہیں ہوتی۔ یہ بارش اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے ستارے کی طرف سے نہیں ہوتی، اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے جب وہ صبح کرتے جب کہ بارش ہو چکی ہوتی: مطرنا بنوء الفتح پھر وہ اس آیت کی تلاوت کرتے مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر: 2) ابو عمر نے کہا: میرے نزدیک یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی طرح ہے مطرنا بفضل اللہ و رحمتہ (3) ہم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ بارش ہوئی۔ اس باب میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو ارشاد ہے جب حضرت عمر نے ان کے واسطہ سے بارش طلب

1۔ مؤطا امام مالک، کتاب الاستسقاء، الاستمطار بالنجوم، صفحہ 180

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، جلد 1، صفحہ 59 3۔ ایضاً

کی: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان! کم بقی من نوء الثریا حضرت عباس نے جواب دیا: علماء گمان کرتے ہیں کہ وہ افق میں عرضاً ظاہر ہوگی سات دنوں کے بعد ابھی ساتواں دن نہیں گزرا تھا کہ ان پر بارش ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: الحمدللہ یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے ہے۔

گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ نوء ثریا ایسا وقت ہے جس میں بارش کی امید کی جاتی ہے تو آپ نے حضرت عباس سے سوال کیا: وہ ظاہر ہو چکا ہے یا اس میں سے کوئی باقی ہے؟

سفیان بن عیینہ نے اسماعیل بن امیہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا: مطرنا عثانین الاسد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو نے جھوٹ بولا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بارش ہے''۔ سفیان نے کہا: عثانین الاسد سے مراد بازو اور پیشانی ہے۔

عام قرأت تکذبون ہے جو تکذیب سے مشتق ہے، مفضل نے عاصم اور یحییٰ بن وثاب سے تَکْذِبون نقل کیا ہے۔ اس کا معنی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جس نے کہا: مطرنا بنوء کذا حضرت انس بن مالک کی حدیث میں یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری امت میں تین چیزیں ہمیشہ رہیں گی حسب و نسب پر فخر، نوحہ اور انواء''۔ اس بارے میں صحیح مسلم کے الفاظ ہیں۔ ''میری امت میں چار امور دور جاہلیت کے ہوں گے جنہیں لوگ نہیں چھوڑیں گے۔ حسب و نسب پر فخر، انساب میں طعن، ستاروں کے ذریعے بارش کو طلب کرنا، نوحہ کرنا'' (1)۔

فَلَوْ لَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ لولا، ھلا کے معنی میں ہے جب نفس اور روح حلقوم تک پہنچ جائے۔ نفس کا پہلے ذکر نہیں ہوا کیونکہ معروف ہے۔

حاتم نے کہا:

اذا حشرجت یوما وضاق بها الصدر

جب گھنگھرو بول جائے گا اور سینہ تنگ ہو جائے گا۔ محل استدلال حشرجت کی ضمیر ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے ''ملک الموت کے مددگار ہیں جو رگوں کو کاٹتے ہیں اور آہستہ آہستہ روح کو جمع کرتے ہیں یہاں تک کہ روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے تو ملک الموت اسے قبض کر لیتا ہے'' (2)۔

وَ اَنْتُمْ حِیْنَىِٕذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ تَنْظُرُوْنَ کا مفعول یہ أمری اور سلطانی ہے۔ یعنی تم میرا اصرار، میری سلطان دیکھ رہے ہوتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تم میت کو دیکھ رہے ہوتے ہو تم اس کے لیے کسی چیز پر قادر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کرتا ہے کہ میت کے گھر والے انتظار کر رہے ہوتے ہیں کہ اس کا نفس کب نکلے گا؟ پھر یہ کہا گیا ہے: یہ ان کے اس قول کا رد ہے جو انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا تھا لَوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، فصل فی النھی عن الفخر بالأحساب والطعن فی الأنساب والاستسقاء، جلد 1، صفحہ 303

2۔ کنز العمال، تلقین المختصر، جلد 15، صفحہ 563، حدیث 12185

(آل عمران:156) کیا جب روح حلقوم تک آ پہنچی تھی تو کیا انہوں نے ان میں سے کسی کی روح کو لوٹایا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے ایسا کیوں نہ ہوا جب تم میں سے کسی کا نفس نزع کے وقت حلقوم تک پہنچا جب کہ تم حاضر تھے تو تم اس کی روح کو اس کے جسم میں روک لیتے جب کہ تم اس کی طویل عمر کے حریص تھے اور اس کی بقا سے محبت رکھتے تھے۔ یہ ان کے قول کا رد ہے: نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ (الجاثیہ:24) ہم مرتے ہیں اور ہم زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس آدمی کو خطاب ہے جو حالت نزع میں ہے یعنی تجھے جو مصیبت پہنچی ہے اگر یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہیں ہے تو تو نے اپنی روح کی حفاظت کیوں نہیں کی؟

وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ ہم قدرت، علم اور رؤیت میں تمہاری بنسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ عامر بن عبد القیس نے کہا: میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر میں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی بنسبت اس کے زیادہ قریب دیکھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا کہ ہمارے بھیجے ہوئے جو اس کی روح کو قبض کرنے کے ذمہ دار تھے وہ تمہاری بنسبت اس کے زیادہ قریب تھے۔ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۝ یعنی تم انہیں دیکھتے۔

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۝ یہاں بھی لولا، ھلا کے معنی میں ہے یعنی اگر تمہارا محاسبہ نہیں ہونا اور تمہیں اپنے اعمال کا بدلہ نہیں دیا جانا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ۝ (الصافات) یعنی ہمیں جزا دی جائے گی اور ہمارا محاسبہ ہوگا۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ کا معنی ہے غیر مملوکین و لا مقهورین غیر مملوک اور غیر مغلوب ہوں۔ فراء اور دوسرے علماء نے کہا: دِنته کا معنی ہے میں اس کا مالک ہوا، حطیہ کا شعر پڑھا:

لقد دُيِّنْتِ أَمْرَ بَنِيكَ حَتّٰى تَرَكْتِهِمْ أَدَقَّ مِنَ الطَّحِينِ

تجھے اپنے بیٹوں کے معاملات سپرد کیے گئے یہاں تک کہ تو نے انہیں آٹے سے بھی زیادہ باریک چھوڑا۔

دانه اسے ذلیل کیا اور اسے اپنا غلام بنایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دنته فدان میں نے اسے ذلیل کیا تو وہ ذلیل ہو گیا۔ اس بارے میں بحث سورۂ فاتحہ میں يَوْمِ الدِّيْنِ کے ضمن میں گزر چکی ہے۔

تَرْجِعُوْنَهَآ تم روح کو جسم کی طرف لوٹاتے۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ اگر تم سچے ہو یعنی تم اسے ہرگز نہیں لوٹاؤ گے تو تمہارا گمان باطل ہو گیا کہ مملوک نہیں اور تمہارا محاسبہ نہیں ہوگا۔ تَرْجِعُوْنَهَآ یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ۝ اور فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ۝ کا جواب ہے دونوں کا ایک ہی جواب ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ بعض اوقات عرب دو حرفوں کا اعادہ کرتے ہیں اور ان کا معنی ایک ہی ہوتا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ (البقرہ) دونوں کا ایک جواب دیا گیا جب کہ یہ دونوں شرطیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک کو حذف کیا گیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی

فلولا وھلا ان کنتم غیر مَدِینِین تَرجِعونھا، تردّون نَفْس ھذا المیّت إلی جسدہ إذا بلغت الحلقوم۔

فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۸۸﴾ فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۰﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۹۱﴾ وَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۹۲﴾ فَنُزُلٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ ﴿۹۳﴾ وَّتَصۡلِيَةُ جَحِيۡمٍ ﴿۹۴﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الۡيَقِيۡنِ ﴿۹۵﴾ فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِيۡمِ ﴿۹۶﴾

"پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لیے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی۔ اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر وہ (مرنے والا) جھٹلانے والے گروہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے"۔

فَاَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۸۸﴾ موت اور بعث کے وقت مخلوق کے طبقات کا ذکر کیا اور ان کے درجات کو بیان کیا اور کہا: اگر یہ فوت ہونے والا مقربین میں سے ہوا جو سابقون ہیں (1) فَرَوۡحٌ وَّرَيۡحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ ﴿۸۹﴾ عام قرأت فروح ہے واؤ پر فتحہ ہے۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کے نزدیک اس کا معنی دنیا سے راحت ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد راحت ہے۔ ضحاک نے کہا: روح سے مراد استراحت ہے (2)۔ قتبی نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے لیے قبر میں عمدہ خوشبو ہوگی۔ ابو العباس بن عطاء نے کہا روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنا ہے۔ ریحان سے مراد اس کی کلام اور وحی کو سننا ہے وَّجَنَّتُ نَعِيۡمٍ اس سے مراد ہے کہ جنت میں وہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں نہیں ہوگا۔ حضرت حسن بصری، قتادہ، نصر بن عاصم، جحدری، رویس اور زید نے یعقوب سے یہ قرأت نقل کی ہے (3)۔ فَرُوۡحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: روح سے مراد رحمت ہے کیونکہ مرحوم کے لیے یہ زندگی کی طرح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا فَرُوۡحٌ یعنی راء پر ضمہ ہے معنی ہے اس کے لیے جنت میں بقا اور زندگی ہے، یہی رحمت ہے۔ وَّرَيۡحَانٌ مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد رزق ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد حمیر کی لغت میں رزق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرجت أطلب ريحان الله میں اللہ تعالیٰ کے رزق کی تلاش میں نکلا۔ نمر بن تولب نے کہا: سلام الإله وريحانه یہاں بھی ریحان سے مراد رزق ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ ضحاک نے کہا: مراد رحمت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ معروف ریحان ہے جسے سونگا جاتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا نقطہ نظر ہے۔ ربیع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 466 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 254 3۔ ایضاً

ابن خثیم نے کہا: وہ موت کے وقت ہوگا اور جنت دوبارہ اٹھائے جانے تک اس کے لیے چھپا کر رکھی جائے گی۔ ابو جوزاء نے کہا: یہ اس کی روح کے قبض کے وقت ہوگا وہ ریحان کا بنڈل پائے گا۔ ابو العالیہ نے کہا: مقربین میں سے کوئی بھی دنیا میں اپنی روح سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسے ریحان کی دو ٹہنیاں دی جائیں گی وہ ان دونوں کو سونگھے گا پھر اس کی روح قبض کی جائے گی۔ ریحان کی اصل اور اس کا اشتقاق سورۂ رحمن کے آغاز میں گزر چکا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ثعلبی نے روح و ریحان میں ان اقوال کے علاوہ اقوال ذکر کیے ہیں جو ہم نے ذکر کیے، جو ان کا ارادہ کرے وہاں سے دیکھ لے۔

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝ یعنی اگر فوت ہونے والا اصحاب یمین میں سے ہو **فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ ۝** تو ان میں سے کسی کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ جو تو سلامتی سے محبت رکھتا ہے اس لیے ان کے بارے میں تو غمگین نہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے ان کی جانب سے تیرے لیے سلامتی ہے یعنی تو ان کے لیے غمگین ہونے سے سلامت ہے۔ معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصحاب یمین آپ کے لیے دعا کرتے ہیں اے محمد! اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمتیں نازل فرمائے اور تجھ پر سلام بھیجے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے محمد! وہ تجھ پر سلام بھیجتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اے بندے! تو اس چیز سے سلامت رہے جسے تو ناپسند کرتا ہے، کیونکہ تو اصحاب یمین سے ہے یہاں سے انك محذوف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں سلام کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے مقصد تعظیم بجالانا ہے(1)۔ اس تاویل کی بنا پر سلام کے محل میں تین قول ہیں (۱) جب دنیا میں اس کی روح قبض کی جاتی ہے تو ملک الموت اسے سلام کہتا ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے(2)۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب ملک الموت آتا ہے تاکہ مومن کی روح قبض کرے تو وہ کہتا ہے تیرا رب تجھے سلام فرماتا ہے۔ یہ بحث سورۂ نحل آیت 32 میں اللہ تعالیٰ کے فرمان **الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ طَیِّبِیْنَ** کے ضمن میں گزر چکی ہے (۲) قبر میں جب اس سے سوال و جواب ہوتا ہے(3) تو منکر نکیر اس کو سلام کہتے ہیں (۳) قیامت کے روز جب اسے اٹھایا جاتا ہے تو فرشتے اسے سلام کہتے ہیں قبل اس کے کہ وہ پہنچے(4)۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ اسے تینوں مواقع پر سلام کیا جائے۔ یہ اس کے لیے اکرام کے بعد اکرام ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مبرد کے نزدیک ان کا جواب محذوف ہے تقدیر کلام یہ ہے مهما یکون من شیٔ فسلام لك من أصحاب الیمین، إن كان من أصحاب الیمین فسلام لك من أصحاب الیمین جواب شرط کو حذف کر لیا گیا کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے؛ جس طرح تیرے اس قول میں جواب محذوف ہے أنت ظالم إن فعلت کیونکہ ماقبل کلام اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اخفش کا مذہب ہے کہ فاء (کا مابعد) اما اور ان کا جواب ہے اس کا معنی ہے فاء، اما کا جواب ہے یہ متقدمہ تقدیر کی بنا پر ان کے جواب کے قائم مقام ہے۔ فاء اس تعبیر کی بنا پر دونوں کا جواب ہے۔ زجاج کے نزدیک اما کا معنی ہے ایک شی سے دوسری شی کی طرف نکلنا یعنی جس میں ہم ہیں اس کو چھوڑ دے اور اس کے غیر میں شروع ہو جا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 5، صفحہ 447 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً

وَ اَمَّاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِیْنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۹۲﴾ یعنی بعث کا انکار کرنے والے اور ہدایت اور حق کے راستہ سے گمراہ۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۹۳﴾ یعنی ان کے لیے کھولتے ہوئے پانی کا رزق ہے، جس طرح فرمایا: ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿۵۱﴾ لَاٰكِلُوْنَ جس طرح فرمایا: ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ (الصافات) وَّ تَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ﴿۹۴﴾ جہنم میں داخل کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم میں رہنا اور مختلف قسم کے عذابوں کو برداشت کرنا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أصلاہ النّار وصلاہ مراد ہے اسے بنادیا کہ وہ اسے تاپے۔ یہاں مصدر، مفعول کی طرف مضاف ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: لغلان أعطاء مال فلاں کو مال دیا جاتا ہے اسے وتصلیۃ تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی نزل من تصلیۃ جحیم پھر ابو عمرو نے تاء کو جیم میں مدغم کیا۔ یہ بعید ہے۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ ﴿۹۵﴾ جو ہم نے تم پر بیان کیا ہے یہ محض یقین اور حق ہے۔ حق کی یقین کی طرف اضافت درست ہے جب کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں کیونکہ ان دونوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ مبرد نے کہا: یہ تیرے اس قول کی طرح ہے عین الیقین، محض الیقین۔ کوفیوں کے نزدیک یہ شی کو اپنی ذات کی طرف مضاف کرنے کی طرح ہے۔ بصریوں کے نزدیک مراد ہے: حق الأمر الیقین أو الخبر الیقین۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تاکید ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یقین کی اصل یہ ہے کہ یہ حق کی نعت ہو تو مبعوث کو مجازاً نعت کی طرف مضاف کیا گیا ہے جس طرح ہے وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ (الانعام: 32) قتادہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑے گا یہاں تک کہ اسے اس قرآن کے بارے میں یقین پر کھڑا کرے گا جہاں تک مومن کا تعلق ہے تو اس نے دنیا میں یقین کرلیا تو اس چیز نے اسے قیامت کے روز نفع دیا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے اسے قیامت کے روز یقین ہوگا تو اسے یقین نفع نہیں دے گا۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۹۶﴾ اللہ تعالیٰ کی ہر عیب سے پاکی بیان کرو۔ باء زائدہ ہے یعنی اپنے رب کی پاکی بیان کرو۔ اسم سے مراد مسمّی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی نماز پڑھیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عظیم رب کے نام کا ذکر کیجئے اور اس کی تسبیح بیان کیجئے۔

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے جب فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ ﴿۹۶﴾ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے اپنے رکوع میں رکھ لو'' اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے اپنے سجدہ میں رکھ لو'' (1) اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، مایقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ، جلد 1، صفحہ 126